عبدالمجید سالک

یاران کہن

www.taemeernews.com

یارانِ کہن

www.taemeernews.com

یارانِ کہن

عبدالمجید سالک

www.taemeernews.com

فہرس

مولانا محمد علی	۹
مولانا شوکت علی	۱۹
علامہ اقبال	۲۹
مولانا ابوالکلام آزاد	۴۱
سید ممتاز علی	۵۷
مولانا ظفر علی خاں	۶۹
میاں فضل حسین	۸۱
سردار سکندر حیات خاں	۹۳

www.taemeernews.com

چودھری شہاب الدین	۱۰۷
آغا حشر کاشمیری	۱۱۷
مولانا حسرت موہانی	۱۲۹
مولانا گرامی	۱۴۱
مولانا احمد سعید دہلوی	۱۵۷
خواجہ حسن نظامی	۱۶۷
حکیم فقیر محمد چشتی	۱۷۷
سید حبیب	۱۸۹
مولانا تاجور نجیب آبادی	۲۰۱
مولانا چراغ حسن حسرت	۲۱۳
ڈاکٹر تاثیر	۲۲۵
مولانا بیدل شاہجہان پوری	۲۳۷

www.taemeernews.com

گزارش

اگر اس کتاب کے ہر مضمون میں آپ کو سالک نظر آئے تو اس پر بدکنے کی ضرورت نہیں۔ یہ تذکرہ ہی صرف ان بزرگوں کا ہے، جن سے سالک کے براہِ راست روابط قائم ہوئے۔ لہٰذا اس میں جا بجا "صیغۂ واحد متکلم" کا استعمال ناگزیر تھا۔

اس تذکرے سے اُن بزرگوں کے سوانح حیات لکھنا یا اُن کی تصانیف پر تبصرہ کرنا مقصود نہیں، صرف ان کی شخصیتوں کی ہلکی سی جھلک دکھانا منظور ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ میں اس مقصد میں ناکام نہیں رہا۔

یہ کتاب آغا شورش کے "توائی ڈالنے" کی وجہ سے صرف چند روز میں لکھی گئی ہے۔ اس لیے اگر اس میں کوئی ایسے اسقام نظر آئیں جو اہلِ ذوق کے نزدیک میرے اسلوبِ تحریر کے شایاں نہ ہوں تو اُن کی ذمہ داری اُسی "بلائے بے درماں" کے سر ہے جس کو شورش کہتے ہیں اور جس کی کسی ضد سے میں سرتابی نہیں کر سکتا۔

مسلم ٹاؤن لاہور، یکم دسمبر ۱۹۵۵ء

عبدالمجید سالک

www.taemeernews.com

مطبوعات
چٹان
۸۸
میکلوڈ
روڈ
لاہور

www.taemeernews.com

مولانا محمد علی

۱۹۱۹ء سردیوں کے دن۔ دسمبر کا مہینا۔

رولٹ ایکٹ۔ جلیانوالہ باغ کا قتلِ عام۔ مارشل لا کے ہولناک ظلم۔ معاہدہ سیورے سے ترکان آل عثمان کی خلافت و سلطنت کا خاتمہ۔ ہندو مسلمان سکھ غلامی کی مصیبتوں کا مقابلہ کرنے کے لئے متحد۔

امرت سر میں کانگرس، مسلم لیگ اور خلافت کانفرنس کے سالانہ اجلاس پنڈت موتی لال نہرو اور حکیم اجمل خاں کے جلوس۔ گاندھی اور تلک کے استقبال، امرت سر میں پشاور سے لیکر راس کماری اور کاٹھیاواڑ سے آسام تک کے جوشیلے جوان آزادی پسندوں کا اجتماع۔ امرتسر کے باسیوں اور پردیسیوں کو صبح سے شام

www.taemeernews.com

تک لیڈروں کے استقبال اور ان کی تقریریں سننے کے سوا کوئی کام نہیں۔

علی برادران کی رہائی

اتنے میں خبر آئی کہ علی برادران بھی بیتول جیل سے رہا کر دیئے گئے ہیں اور وہاں سے سیدھے امرت سر آرہے ہیں۔ شام تک نہ پہنچے۔ دوسرے دن صبح تک نہ پہنچے۔ اب اضطراب بڑھا۔ میں بھائی شفاعت اللہ خاں مرحوم اور مولانا سید حامد حسین بیدل شاہجہانپوری اسلامیہ ہائی سکول امرت سر کی عمارت کی دوسری منزل پر بیٹھے احباب سے باتیں کر رہے تھے۔ مولانا عارف ہسوی مرحوم پان پر پان بنا رہے تھے اور حساب لگا رہے تھے کہ اتنے بجے کی ٹرین سے علی برادران کو امرت سر پہنچ جانا چاہیئے تھا۔ مولانا حسرت موہانی اپنی بھرائی ہوئی آواز میں کہہ رہے تھے۔ ارے میاں وہ رہا تو ہوہی چکے ہیں۔ اپنے وقت پر آجائیں گے۔ تشویش کاہے کی ہے۔ بیگم حسرت موہانی فرما رہی تھیں۔ میں تو سمجھتی ہوں فرنگیوں نے ان کی رہائی کی خبر یونہی غلط اڑا دی ہے تاکہ امرت سر کے فیصلوں پر اس کا اچھا اثر پڑے حقیقت میں انہیں رہا کرنا مقصود ہی نہیں غرض جتنے منہ تھے اتنی باتیں۔

اتنے میں منادی کی آواز کان میں آئی۔ علی برادران آرہے ہیں۔ کل دوپہر کو اتنے بجے سٹیشن پر چلو۔ یہ سن کر سب کی جان میں جان آئی۔

دوسرے دن لوگوں نے صبح ہی صبح جاکر پلیٹ فارم، ویٹنگ روم، بیرونی صحن، مکانوں کی چھتیں۔ ریل کے پل غرض بیٹھنے اور کھڑے ہونے کی ہر جگہ روک لی۔ ہزارہا انسانوں کا مجم غفیر ریلوے سٹیشن سے ہال دروازے تک اور اس کے اندر بازار میں دورویہ مکانوں اور دکانوں کے سامنے اور کوٹھیوں پر یوں جمع ہو گیا گویا

www.taemeernews.com

سارا ملک امرت سر ہی پر ٹوٹ پڑا ہے۔ محمد علی شوکت علی بڑی بڑی قراقلی ٹوپیاں پہنے جن پر ہلال کڑھے ہوئے تھے۔ شیروانیاں اور چست پاجامے زیب تن کئے ہوئے نمودار ہوئے۔ اللہ اکبر، بندے ماترم، ست سری اکال، ہندو مسلمان کی جے، محمد علی شوکت علی کی جے۔ مہاتما گاندھی کی جے کے نعروں سے گنبد فلک گونج اٹھا۔

شوکت کو لوگ بہت نہ جانتے تھے لیکن محمد علی (کامریڈ والے) کے نام سے سب پڑھے لکھے آشنا تھے۔ کبھی دونوں بھائیوں کے چہرے صاف چٹ تھے۔ اب دونوں کے چہروں پر خوب صورت داڑھیاں اور چڑھی ہوئی مونچھیں بہار دکھا رہی تھیں۔ یہ پہلا دن تھا جب میں نے رئیس الاحرار مولانا محمد علی کی زیارت کی۔

کانگرس کے جسم میں نئی روح

جب مہاتما گاندھی نے عدم تعاون کی تحریک کا آغاز کیا تو علی برادران نے مجلس مرکزیہ خلافت کی بنیاد رکھ کر مسلمانوں کو تحریک خلافت کے لئے منظم کرنا شروع کر دیا۔

محمد علی کانگرس میں کیا شامل ہوئے اس سست اور جامد مجلس کی رگوں میں خون حیات دوڑنے لگا اور ہزارہا مسلمان جزیرۃ العرب کی سلامتی اور خلافت اسلامی کی بقا کے لئے سر بکف ہو کر میدان میں نکل آئے۔ پھر محمد علی وفد خلافت کو لے کر یورپ گئے۔ وہاں فراعنہ فرنگ نے ان کی بات نہ سنی۔ واپس آکر محمد علی نے کہا کہ جلیانوالہ باغ اور خلافت کے مسئلوں کا فیصلہ تو ضروری ہے لیکن آزادی حاصل کرنا اس سے بھی زیادہ ضروری ہے۔ چنانچہ سوراج کو قومی مطالبہ قرار دیا گیا اور ملک کے طول و عرض میں آزادی کی تحریک کا ہنگامہ برپا ہو گیا۔

www.taemeernews.com

بے مثال جرأت ایمانی

محمد علی انگریزی کے شیوا بیان انشا پرداز، اردو کے زوردار اخبار نویس اور دونوں زبانوں کے فصیح اللسان خطیب تھے۔ ان کی جرأت ایمانی اور غیرت ملی مثال نہ رکھتی تھی۔ جب وہ کانگرس کے سٹیج پر بڑے بڑے عالی مرتبت اور قابل و فاضل کانگرسی رہنماؤں کے جھرمٹ میں تقریر کرتے تھے تو سٹیج لرز جاتا تھا اور قلوب سینوں کے اندر پھڑپھڑانے لگتے تھے۔ ہر شخص اندیشناک ہو جاتا تھا کہ خدا جانے محمد علی کیا کہہ دے۔ انگریز حکام کے متعلق کسی نے خوب کہا تھا۔

The big guns at Simla respect Mr. Gandhi laugh at Hasrat Mohani but fear Mohammed Ali.

(شملہ کے بڑے حکام گاندھی کا ادب کرتے ہیں، حسرت موہانی پر ہنستے ہیں۔ لیکن محمد علی سے خوف کھاتے ہیں)

وہ بار بار اعلان کرتے۔ لا طاعۃ لمخلوق فی معصیۃ الخالق۔ خدا کی نافرمانی کر کے بندوں کی فرمانبرداری نہیں ہو سکتی اور ان کی پوری زندگی اس اعلان کی عملی تصدیق تھی۔ انہوں نے اپنی تحریروں میں، تقریروں میں، کراچی کے مقدمے میں اور اپنی روزانہ زندگی میں ہمیشہ اس کا ثبوت دیا۔ کہ وہ اللہ کے سوا کسی کے آگے جھکنے کو تیار نہیں۔

یہ محمد علی ہی کا اثر تھا کہ ہندوستان بھر کے جلیل القدر علمائے اسلام بھی گاندھی جی اور ان کی تحریک کے ہمنوا ہو گئے اور انہوں نے ترک موالات کو اس زمانے میں

www.taemeernews.com

اسلام کا سب سے بڑا تقاضا قرار دیا۔ محمد علی "پہلے مسلمان بعد میں ہندوستانی" اور "پہلے ہندوستانی بعد میں مسلمان" کی بحث میں کبھی نہیں پڑے۔ ان کا قول تھا کہ جہاں اسلام کے احکام کا معاملہ ہو وہاں میں اوّل بھی مسلمان اور آخر بھی مسلمان ہوں لیکن جہاں وطن کا کوئی مسئلہ ہو۔ وہاں پہلے بھی ہندوستانی ہوں اور بعد میں بھی ہندوستانی ہوں۔ لیکن چونکہ ان کی زندگی سراپا اسلام تھی۔ اس لئے حقیقت میں وہ مسلمان کے سوا کچھ بھی نہ تھے۔

چنانچہ جب پنڈت مالوی کی چالبازی اور ہندوؤں کے تعصب نے تحریک کا خاتمہ کر دیا۔ اور سنگھٹن اور شدھی کے فتنے پیدا ہوئے تو محمد علی کی غیرت مندی نے ایک لمحے کے لئے بھی ہندوؤں کے ساتھ رہنا گوارا نہ کیا اور اپنے آپ کو کاملاً مسلمانوں کی خدمت کے لئے وقف کر دیا۔

آل پارٹیز مسلم کانفرنس

مجھے دہلی کی آل پارٹیز مسلم کانفرنس اب تک یاد ہے۔ سر آغا خاں صدر تھے جب سر محمد شفیع نے مسلمانوں کے حقوق کی قرارداد پیش کی اور مفتی کفایت اللہ نے اس کی تائید فرمائی تو مولانا محمد علی نے ایک ترمیم پیش کی کہ پنجاب و بنگال میں مسلمانوں کی اکثریت۔ اقلیت کے صوبوں میں زائد از استحقاق نشستیں سندھ اور صوبہ سرحد میں صوبائی اصلاحات۔ بلوچستان کو حکومت خود اختیاری سب مطالبات صحیح ہیں — لیکن حلقہ ہائے انتخاب مخلوط ہونے چاہئیں اس پر شور مچ گیا کیونکہ مسلمان مخلوط انتخاب سے سخت نفرت کرتے تھے۔ لنچ کا وقت ہو چکا تھا۔ سر آغا خاں نے اٹھنے سے پہلے پیچھے مڑ کر کہا۔ آپ لوگ محمد علی کو درست کیجئے۔ نواب اسماعیل خاں، مہر صاحب

www.taemeernews.com

میں اور مفتی کفایت اللہ نے پنڈال سے نکلتے ہی مولانا کو جالیا۔ نہ خود کھانا کھایا نہ انہیں کھانے دیا۔ اور بڑی حیص بیص کے بعد ان کو اس امر پر ہموار کیا کہ قرار داد میں ایک فقرہ بڑھا دیا جائے کہ اگر ہندو لیڈر مسلمانوں کے ان مطالبات کو تسلیم کر لیں تو مخلوط انتخاب کے مسئلے پر بھی غور کیا جائے گا۔

اجلاس دوبارہ منعقد ہونے پر مولانا تقریر کے ساتھ اپنی ترمیم پیش کرنا چاہتے تھے۔ لیکن آغا خاں انہیں جانتے تھے۔ انہوں نے مولانا کو بولنے نہ دیا اور سر محمد شفیع نے کھڑے ہو کر کہہ دیا کہ مولانا نے یہ ترمیم پیش کی ہے اور میں اسے قبول کرتا ہوں۔ مولانا کسمسا کر رہ گئے اور قرار داد منظور ہو گئی۔

کانگرسی رہنماؤں سے جنگ

اس کے بعد مولانا محمد علی مسلمانوں کے حقوق کے لئے کانگرس اور اس کے رہنماؤں سے بھی خوب لڑے۔ لیکن تصفیہ حقوق کے حامی ہونے کے باوجود سائمن کمیشن کو بائیکاٹ کرنے کے بھی داعی ہوئے۔ نہرو رپورٹ کی سخت مخالفت کی۔

اسی زمانے میں جب کانگرس نے نمک بنانے کی تحریک شروع کی اور گاندھی جی نے مولانا کو بھی نمک بنانے کی سول نافرمانی میں حصہ لینے کی دعوت دی۔ تو مولانا نے فرمایا۔

میں کیا نمک بناؤں گا۔ قوم کے غم میں دس سال سے
شکر خود بنا رہا ہوں (مولانا کو ذیابیطس کا عارضہ تھا)

اسی زمانے میں بعض مسلمان نوجوان بہت مضطرب تھے کہ اگر ہمارے رہنما

www.taemeernews.com

کانگرس کی تحریک میں شامل نہیں ہوتے تو بطور خود ہی انگریز کے خلاف حریت وطن کی کوئی تحریک شروع کریں۔ چنانچہ وہ رہ رہ کر مولانا محمد علی سے تقاضا کرتے رہتے تھے۔ ان کے ایک پرانے شاگرد اور عقیدت مند نے ان کو اسی مضمون کا ایک خط لکھا۔ جس کے جواب میں انہوں نے میرے نام اٹھارہ صفحے کا ایک گرامی نامہ ارسال فرمایا جس میں اس قسم کے نوجوانوں کو خوب آڑے ہاتھوں لیا۔ اور لکھا کہ مسلمانوں کے حقوق کے لئے اصرار کرنا بھی حریت وطن کی تحریک ہی کا ایک حصہ ہے۔ جب تک مسلمان سوراج میں اپنی پوزیشن کی طرف سے مطمئن نہ ہوں گے وہ سوراج کی تحریک میں مخلصانہ کیونکر شامل ہو سکتے ہیں۔ اس خط میں یہ بھی لکھا کہ اگر سچ مچ مسلمان یہ چاہتے ہیں کہ ہم کوئی تحریک شروع کر دیں تو دس لاکھ روپیہ اور بیس ہزار رضا کار فراہم کر دیں میں میدان میں آنے کے لئے تیار ہوں ؎

میں ہوں پروانہ مگر شمع تو ہو رات تو ہو\
جان دینے کو ہوں موجود کوئی بات تو ہو\
میں بھی موجود ہوں اظہار عقیدت کے لئے\
کسی جانب سے کچھ اظہار کرامات تو ہو

انہی دنوں مفتی کفایت اللہ نے جو کانگرس کے حامی تھے کسی قوم پرستانہ سفر کے سلسلے میں دو سو روپے کانگرس سے بطور مصارف سفر وصول کئے تھے اور اتفاق سے انہی دنوں کسی تقریر میں مولانا محمد علی کے متعلق کوئی غلط بات کر دی اس پر مولانا نے محولہ بالا خط میں لکھا مفتی کفایت اللہ جن کو اب میں مفتری کفایت اللہ کہوں گا کیونکہ ان میرا دو سو کے دو سو دو شامل ہو گئے ہیں۔ میرے متعلق یہ افترا باندھا ہے الخ

www.taemeernews.com

اس زمانے میں مولانا ذیابیطس کی وجہ سے سوزش اعصاب اور ضعف قلب کے مریض بھی ہو چکے تھے اور زندگی بارگراں ہو گئی تھی لیکن زور طبیعت بدستور تھا۔

"قندھار چلو" کے نعرے

مولانا محمد علی ترکی کے سفر سے واپس آئے تو کچھ مدت بعد جنرل نادر خان انقلاب افغانستان کے سلسلے میں فرانس سے اپنے وطن کو جا رہے تھے اور مولانا ظفر علی خان نے ایک تحریک جاری کر رکھی تھی۔ کہ نادر خاں کو امان اللہ خاں کے پاس قندھار جانے پر مجبور کیا جائے۔ مولانا محمد علی اور مفتی کفایت اللہ دہلی سے نادر خاں کے ساتھ ہی ٹرین میں سوار ہو گئے۔ جب ٹرین لاہور کے سٹیشن پر پہنچی تو یہاں مولانا ظفر علی خاں کے رضاکاروں نے "قندھار چلو، قندھار چلو" کا شور مچا رکھا تھا۔ لہٰذا مولانا اور مفتی صاحب یہیں اتر پڑے۔ میں اور مہر صاحب ریلوے سٹیشن سے انہیں اپنے ہاں لے آئے۔ رات کو مولانا دیر تک مونگ پھلی کھاتے رہے جو انہیں بے حد مرغوب تھی۔ اور ہم ان کے پاس بیٹھے ہوئے باتیں کرتے رہے۔ میں نے پوچھا۔ مولانا آپ ترکی میں مصطفےٰ کمال پاشا سے ملے؟ کہنے لگے۔ نہ میں اس سے ملنا چاہتا تھا نہ ملا۔ البتہ ترکی کے بعض بڑے آدمیوں سے ملا تھا۔ ان میں سے بعض "ایماندار بے ایمان" ہیں اور بعض "بے ایمان ایماندار"۔ پوچھا کہ اس کا کیا مطلب؟ کہنے لگے بعض تو ایسے ہیں جن کی زندگیاں اسلامی ہیں۔ نماز و تلاوت کے پابند ہیں لیکن مصطفےٰ کمال پاشا کے ہر ملحدانہ اور ناجائز حکم کی بھی چپ چاپ تعمیل کر رہے ہیں یہ تو ہیں "ایماندار بے ایمان"

www.taemeernews.com

اور بعض لوگ ایسے ہیں جو خود تو عقائد و اعمال کے لحاظ سے فسق کے پیکر ہیں لیکن لٹوے بہانے ہیں کہ مصطفےٰ کمال نے خلافت کو موقوف کر کے مسندِ رسولؐ کو ویران کر دیا۔ یہ ہیں "بے ایمان ایماندار" ان کا مقصد اسلام نہیں بلکہ محض حریفانہ جذبے سے مصطفےٰ کمال پاشا کو بدنام کرنا ہے۔

مولانا کی بدپرہیزی

مولانا کی بدپرہیزی حد انتہا تک پہنچی ہوئی تھی۔ میاں فیروزالدین احمد مرحوم خادم خلافت نے ان کے اعزاز میں دوپہر کے کھانے کی دعوت دی۔ میں بالکل مولانا کے پاس بیٹھا تھا۔ مولانا صبح ہی سے تاکید کر رہے تھے کہ میں صرف سلاد اور روغن زیتون کھاتا ہوں۔ چنانچہ میں اور میاں فیروزالدین احمد لوہاری دروازے سے سلاد اور پلومر کی دوکان سے روغن زیتون تلاش کر کے لائے تھے۔ جب کھانا کھانے بیٹھے تو میں نے کہا مولانا کیا تھوڑی سی سلاد میں بھی لے لوں؟ کہنے لگے۔ ہاں ہاں کھاؤ — یہ کہہ کر بہت سی سلاد میری پلیٹ میں ڈال دی۔ تھوڑی دیر بعد کہنے لگے۔ کیا یہ پلاؤ قورمہ اکیلے ہی اکیلے اڑا جاؤ گے؟ میں نے کہا آپ شوق سے کھائیے لیکن آپ کو تو پرہیز ہے کہنے لگے اجی کہاں کی پرہیز۔ یہ کہا اور سب کچھ کھانے لگے — میں نے بگڑ کر کہا۔ اگر یہی بات تھی تو آپ نے سلاد اور روغن زیتون کے لئے ہمیں کیوں پریشان کیا۔ کہنے لگے اب میرا قصور معاف کرو اور مجھے کھانا کھانے دو۔

www.taemeernews.com

محب و شفیق بزرگ

مولانا بے انتہا محب و شفیق بزرگ تھے اور اپنے نیازمندوں سے دلی محبت کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ جب انگلستان سے ان کے انتقال کی خبر ملی تو میں بچوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رو دیا۔ اور علامہ اقبال بھی اپنے ہمدم دیرینہ کی وفات پر دیر تک ملول و آبدیدہ رہے۔ اللّٰھم اغفرلہٗ

www.taemeernews.com

مولانا شوکت علیؒ

مولانا شوکت علی کے متعلق کچھ لکھتے ہوئے مولانا محمد علی کا تصور بے تکلف سامنے آجاتا ہے۔ اس لئے کہ علی برادران اپنے چاہنے والوں کے دلوں میں "یکجان و دو قالب" کی حیثیت رکھتے ہیں اور وہ تھے بھی یقیناً اسی کے مصداق۔ مولانا محمد علی اپنے علم و فضل کے اعتبار سے قطعی طور پر اپنے بھائی سے بہت بڑھے ہوئے تھے لیکن خدا پرستی۔ غیرت دینی۔ حمیت اسلامی۔ روح ایثار اور بہادری و بیباکی کی خوبیاں دونوں بھائیوں میں ایک دوسرے سے بڑھ کر موجود تھیں۔ مولانا شوکت علی اپنی محبت پرور بے تکلف اور پرخلوص طبیعت کی وجہ سے قومی کارکنوں۔ رضا کاروں اور عوام کے نزدیک اپنے بھائی سے کسی قدر زیادہ ہی محبوب تھے اس لئے کہ مولانا محمد علی کی

www.taemeernews.com

جلالت قدر اور عظمت علمی کی وجہ سے ہر شخص ان کی خدمت میں بے تکلف نہ ہو سکتا تھا اور مولانا شوکت علی کی باغ و بہار مجلس میں سب ہنستے کھیلتے شریک ہوتے تھے اور ان کے اشارے پر ہنستے کھیلتے جیل خانوں میں چلے جاتے تھے۔

آدمی نہیں انجمن

مولانا شوکت علی کی ایک خصوصیت عدیم المثال تھی۔ وہ اپنی ذات میں ایک انجمن تھے اور یہ قول رسمی یا مبالغہ آمیز نہیں بلکہ حقیقت پر مبنی ہے۔ بارہا ایسا ہوا کہ ملک کے کسی دور دست شہر یا قصبے میں مولانا شوکت علی اکیلے جا نکلے۔ جہاں نہ کوئی خلافت کا رکن موجود تھا نہ روپے پیسے کی فراہمی کا کوئی امکان نظر آتا تھا لیکن دو ہی چار روز کے اندر صدر ہا نوجوان اس انسانی مقناطیس کے گرد جمع ہو جاتے اور مولانا انہیں اپنی دلفریب باتوں سے اپنے ہاتھوں اور آنکھوں کی مخصوص حرکتوں سے اور اپنی خاطر مدارات اور دوستانہ بے تکلفی سے گرویدہ کر لیتے۔ چند ہی روز میں اس مقام پر کارکنوں کا ایک گروہ اور رضا کاروں کا ایک جیش فراہم ہو جاتا تھا۔ خدا جانے کیونکر ہر طرف سے روپیہ برسنے لگتا اور اس شہر میں تحریک منظم ہو جاتی۔ یہاں تک کہ جب تحریک خلافت مصطفٰے کمال پاشا کے الغائے خلافت کے بعد آخری دموں پر تھی اور مولانا مجلس مرکزیہ خلافت کے مصارف کے لئے بہت پریشان تھے۔ ایک دن دفعتہً برما جانے کا فیصلہ کر بیٹھے۔ کارکنوں نے مشورہ دیا کہ آپ زحمت سفر برداشت نہ کیجئے۔ اب خلافت والوں کی کوئی نہیں سنتا۔ خواہ مخواہ پریشانی اٹھانی پڑے گی۔ لیکن وہ عزم کر چکے تھے اور کوئی انہیں روک نہ سکتا تھا۔ چنانچہ

www.taemeernews.com

رنگون اور مانڈلے میں چند ہی روز رہ کر وہاں کے مسلمانوں کو اس قدر متاثر کیا کہ انہوں نے بیالیس ہزار روپے کی رقم مولانا کی جھولی میں ڈال دی اور آپ سالماً غانماً واپس بمبئی پہنچ گئے۔

ہندوؤں سے چندے کی فراہمی

تحریک خلافت کے دوران میں ہندو مسلم اتحاد اپنے نقطۂ کمال کو پہنچ گیا تھا چنانچہ جب گاندھی جی نے تلک سوراج فنڈ کی فراہمی کا کام شروع کیا تو مولانا شوکت علی ان دنوں احمد آباد کے سابرمتی آشرم میں گاندھی جی کے ساتھ مقیم تھے۔ ایک دن کا ذکر ہے، گاندھی جی احمد آباد کے دولت مند سیٹھوں سے سوراج فنڈ کے لئے چندہ فراہم کرنے نکلے اور تھوڑی ہی دیر کے بعد مولانا شوکت علی بھی کار میں بیٹھ کر گاندھی جی کے پیچھے روانہ ہو گئے۔ گاندھی جی جس سیٹھ سے رقم وصول کر کے آگے بڑھتے مولانا اسی سیٹھ کے پاس جا دھمکتے اور پوچھتے تم نے باپو کو کیا دیا؟ وہ مثلاً جواب دیتا کہ دس ہزار دیا ہے تو فرماتے کہ خلافت کیلئے بھی دس ہزار ہی لے کر ٹلوں گا۔ سیٹھ ناچار ان کو بھی دس ہزار دے دیتا۔ وہ پھر آگے چل دیتے۔ شاید ہی کوئی شخص ہو جس نے مولانا شوکت علی کو چندہ دینے سے انکار کیا ہو۔ جب چند گھنٹے بعد گاندھی جی تین چار لاکھ روپیہ لے کر واپس آشرم پہنچے تو ان کے پیچھے ہی پیچھے مولانا بھی جا دھمکے گاندھی جی نے کہا۔ مولانا۔ ہم نے آج بڑا کام کیا۔ تین لاکھ روپیہ سوراج فنڈ کے لئے جمع کیا ہے۔ مولانا ہنس دیئے اور کہا۔ مہاتما جی تین لاکھ تو میں بھی لے آیا ہوں۔ آپ نے بھی میرے برابر روپیہ جمع کیا تو کیا تیر مارا؟

www.taemeernews.com

ڈیوٹی شاپ کے لئے چندہ

علی گڑھ کی انجمن "الفرض" کی طرف سے ہر سال طلبہ کا ایک وفد ملک کے بعض بڑے شہروں کا دورہ کیا کرتا تھا اور بمبئی سے عموماً بیس پچیس ہزار روپیہ فراہم کرلایا کرتا تھا۔ جس زمانے میں تحریک خلافت کا آغاز ہوا، انجمن الفرض کا وفد حسب معمول بمبئی پہنچا اور چونکہ وہاں مولانا ہی سب سے بڑے "علیگرین" تھے۔ اور ان کی ذات نوجوانوں کے لئے بے پناہ کشش بھی رکھتی تھی۔ اس لئے وہ وفد دفتر خلافت ہی میں مقیم ہوا اور مولانا سے تقاضا کرنے لگا کہ انجمن الفرض کے لئے چندہ جمع کرنے میں ہماری امداد کیجئے۔ مولانا کی مصروفیتیں اس زمانے میں لاانتہا تھیں۔ آئیں بائیں شائیں کرکے ٹال دیا اور کہا۔ جلدی کیا ہے بمبئی آئے ہو۔ ذرا سیر سپاٹا کرو۔ گھومو پھرو۔ چندہ بھی اپنے وقت پر ہوجائے گا۔ لڑکوں کو سیر سپاٹا خدا دے۔ وہ گھومنے پھرنے لگے۔ لیکن جب پانچ چھ دن گزر گئے تو ان میں سے بعض نے مولانا سے کہا کہ چندہ دلواتے ہو تو دلواؤ۔ ورنہ ہم خود کاسۂ گدائی ہاتھ میں لے کر در در پر صدا دیں گے اور اس سے علی گڑھ کی جو توہین ہوگی اس کے ذمہ دار آپ ہوں گے۔ مولانا نے فوراً دو کاریں تیار کرائیں اور لڑکوں کو ساتھ لے کر ایک سیٹھ کے ہاں پہنچے۔ (یہ غالباً یوسف سوبانی تھے) وہاں جاتے ہی کہا۔ دیکھو سیٹھ۔ یہ لڑکے علی گڑھ سے آئے ہیں اور میری جان کے لاگو ہوئے ہیں پچیس ہزار مانگتے ہیں چیک لکھو اور میری جان چھڑاؤ۔ سیٹھ نے بلا حیل وحجت پچیس ہزار کا چیک کاٹ کر پیش کردیا۔ مولانا نے لڑکوں کے حوالے کیا اور کہا اب سیدھا علیگڑھ کا ٹکٹ لو اور بھاگ جاؤ۔

www.taemeernews.com

گوشت پوست کا پہاڑ

جن لوگوں نے علی گڑھ کے رسالہ "اولڈ بوائے" میں شوکت بھیا کا مضمون "علی گڑھ کے کھنڈرسے" پڑھا ہے وہ ان کی کالج کی شرارتوں۔ بے تکلفیوں اور ظریفانہ اسلوب بیان سے بخوبی واقف ہیں۔ ان کے ہم عصر طلبہ ان کو ہمیشہ بڑے بھیا کہتے اور ہمیشہ ان کو چھیڑ کر ان کی حرکتوں سے لطف اندوز ہوتے جس زمانے میں سرآغاخاں نے مسلم یونیورسٹی کے لئے چندہ جمع کرنے کے لئے ملک کا دورہ کیا۔ تو شوکت بھیا اس کام میں مدد دینے کے لئے ان کے سیکرٹری مقرر کئے گئے لیکن آغاخاں کے سیکرٹری کے لئے جس متانت و سنجیدگی کی ضرورت تھی وہ ان سے کوسوں دور تھی۔ اپنی دنوں کا ذکر ہے۔ بمبئی میں کرسمس یا کسی اور تقریب کا میلہ لگا ہوا تھا۔ شوکت بھیا اپنے یارچوں کو ساتھ لے کر اس میلے میں چکر لگا رہے تھے۔ ایک جگہ کیا دیکھا کہ ربڑ کا ایک بہت بڑا گولہ باکسنگ کی مشق کے لئے لگا ہوا ہے۔ فوج کے گورے اس گولے کو مکہ مارتے ہیں اور ساتھ ہی ایک پیمانے کی گھڑی لگی ہوئی ہے جس کی سوئی مکے کی شدت اور تندی کو ریکارڈ کر رہی ہے۔ شوکت بھیا پر عالم شباب تھا اور ان میں قوت بقدر جثہ سے بھی زیادہ ہی تھی مچل گئے کہ ہم بھی مکہ ماریں گے۔ ساتھیوں نے کہا کہ تم آغاخاں کے سیکرٹری ہو۔ ذرا وقار و تمکنت سے رہو۔ یہ کیا بازاری حرکت ہے۔ لیکن یہ کہاں باز آنے والے تھے۔ بڑھ کر اس گولے پر اس شدت کا مکہ رسید کیا کہ پیمانے کی سوئی پورا چکر کاٹ گئی۔ اور گورے حیران ہو کر شوکت بھیا کو دیکھنے لگے۔ ان پر Man mountain کی

www.taemeernews.com

پھبتی ان ہی گدوں میں سے کسی نے کہی تھی۔

تنظیم کی بے پناہ قوت

کچھ مدت بعد جنگ عظیم اوّل چھڑ گئی۔ شوکت بھیا نے انجمن خدام کعبہ کی بنیاد ڈال کر انگریز کو چھیڑنا شروع کیا۔ اُدھر مولانا محمد علی نے ترکوں کی "پند" کے عنوان سے ایک بے نظیر مضمون لکھ دیا۔ چنانچہ دونوں بھائی گرفتار کر لئے گئے اور چھندواڑہ اور بیتول (سی پی) کے جیلوں میں دن گزارنے لگے۔ انہی دنوں دونوں بھائیوں نے قرآن حکیم سے اپنا رابطہ استوار کیا۔ انگریزی لباس کو خیرباد کہا اور داڑھیاں چھوڑ دیں۔ شوکت علی کے شیر ببر کے سے چہرے پر داڑھی کی رونق دیکھنے کے لائق تھی۔

جنگ کے خاتمہ پر جب رولٹ بل ایجی ٹیشن، پنجاب میں مارشل لا اور جلیانوالہ باغ وغیرہ کے حوادث گزر چکے۔ تو امرتسر میں کانگرس۔ لیگ اور خلافت کے اجلاس ہوئے۔ اس موقع پر علی برادران بھی رہا ہو کر امرتسر پہنچے۔ محمد علی تو تعلیمیافتہ طبقے اور ملکی لیڈروں کی صفِ اوّل میں ممتاز درجہ رکھتے ہی تھے لیکن شوکت کے اثر و نفوذ کا بھی کچھ ٹھکانا نہ تھا۔ چنانچہ امرتسر سے فارغ ہوتے ہی شوکت زمین کا گز بنے ہوئے ہندوستان کے طول و عرض کو ناپنے لگے۔ محمد علی تو وفد خلافت لیکر انگلستان چلے گئے لیکن مولانا شوکت علی نے ان کی غیر حاضری میں پورے ملک کو فرنگی سے ٹکر لینے کے لئے تیار کر دیا۔

www.taemeernews.com

لطیفوں کا مخزن

مولانا شوکت علی جن خوبیوں کی وجہ سے ملک بھر کے نوجوانوں کے محبوب تھے ان میں ان کی بے پناہ ظرافت بہت ممتاز تھی اور ان کی ہر بات اور ہر حرکت میں قہقہوں کا سامان موجود تھا۔ ایک دن کسی نے پوچھا کہ آپ کے بڑے بھائی ذوالفقار علی خاں کا تخلص گوہر اور مولانا محمد علی کا جوہر ہے۔ آپ کا کیا تخلص ہے؟ بے تکلف کہا کہ شوہر۔

کسی انگریز پرست بڑے آدمی نے ایک مجلس میں کہہ دیا کہ یہ محمد علی شوکت علی تو لفنگے ہیں۔ مولانا شوکت علی کو کسی نے بتا دیا کہنے لگے بات تو اس نے ٹھیک کہی، ہم لفنگے ضرور ہیں۔ لیکن "اللہ میاں کے لفنگے ہیں" کافروں کے لفنگے نہیں۔

مولانا شوکت عربی نہیں جانتے تھے لیکن جب کبھی بعض عرب بزرگ ان سے ملنے آتے تو مولانا ان سے عربی میں باتیں کرنے کی کوشش کرتے یعنی عربی کے دو تین سنے سنائے لفظ کہے اور جو کمی رہ گئی وہ ہاتھوں اور آنکھوں کے بلیغ اشاروں سے پوری کردی۔ مثلاً ایک عرب سے باتیں کر رہے تھے۔ یا شیخ، المسلمون نائمون (آنکھیں بند کرلیں) فی کلِ عالم نائمون (انگلی فضا میں گھمائی) خلوص مافش۔ خلوص مافش۔ خیر۔ ان اللہ علیٰ کل شیئٍ قدیر (اور اوپر اللہ کی طرف اشارہ کردیا)

ایک دن چند نوجوان سر ہو گئے کہ آپ عربی تو جانتے نہیں عربی میں باتیں

www.taemeernews.com

کیسے کر لیتے ہیں کہنے لگے: "واہ عربی کیوں نہیں جانتے ہم خوب عربی جانتے ہیں" کسی لڑکے نے پوچھا۔ اچھا یہ تو بتلایئے گھٹنے کو عربی میں کیا کہتے ہیں ــــ؟ بے تامل جواب دیا: "گھٹنا تو عرب میں ہوتا ہی نہیں" لڑکے مارے قہقہوں کے لوٹ لوٹ گئے۔

پوشاک و خوراک

اچھا پہننے کا شوق تو کھدر کے رواج نے خاک میں ملا دیا تھا۔ کھلے کھلے جھابڑ جھلّا سے کپڑے پہنتے تھے اور گلے میں ایک "تھیلہ خلافت" لٹکائے رہتے تھے۔ جس میں کچھ خطوط، کچھ پمفلٹ اور خدا جانے کیا الا بلا بھری رہتی تھی۔ البتہ سر پر سمور کی بڑی ٹوپی ضرور اوڑھتے جس پر ایک بڑا سا ہلال کڑھا ہوا ہوتا تھا۔ بعد میں وہ ٹوپی بھی کھدر کی ہو گئی تھی۔ لیکن علی برادران کی انفرادیت لباس میں بہر حال نمایاں رہی۔ دونوں بھائیوں نے گاندھی ٹوپی ایک دن بھی پہن کے نہیں دیکھی۔ کیونکہ وہ ان کے ذوق کو پسند آ ہی نہ سکتی تھی۔ اچھا کھانے کا شوق ہمیشہ رہا۔ نوعیت اور مقدار دونوں اعتبار سے خوب کھاتے تھے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ لذتِ کام و دہاں کے غلام تھے ایک دن مدراس میں سیٹھ جمال کے ہاں دعوت تھی۔ بیسیوں قسم کے کھانے موجود تھے۔ مولانا ہر کھانے پر بڑھ بڑھ کر ہتھے مار رہے تھے اور ساتھ ہی کہتے جاتے تھے کہ جو خدا ایسے لذیذ کھانے کھلاتا ہے اگر اس کی خاطر کبھی سوکھی روٹی بھی کھانی پڑے گی تو اسی ذوق شوق سے کھاؤں گا۔

www.taemeernews.com

سب کچھ لٹا دیا

تحریک خلافت کے زمانے کے بعد ہمارے ملک میں اکثر سیاسی لیڈر سب سے پہلے اپنی مادی و مالی حالت کو درست کرنے کی فکر میں مصروف ہو گئے اور اب تک یہی مذاق عام ہے لیکن مولانا شوکت علی اور مولانا محمد علی نے اپنا سب کچھ اللہ کی راہ میں لٹا دیا۔ رام پور میں خاصی جائیداد تھی وہ بھی خالصے لگ گئی اور جب دنیا سے رخصت ہوئے تو مال کے نام سے تو کچھ نہ چھوڑا۔ البتہ خدا و خلق کے نزدیک اپنی ساکھ کو اس قدر بلند کر گئے کہ اس کا مقابلہ آج تک کسی لیڈر سے نہ ہو سکا۔

مسلم ٹاؤن میں آخری پھیرا

اواخر عمر میں جب مولانا شوکت علی قائد اعظم کے ماتحت لفٹنٹ کی حیثیت سے مسلم لیگ کا کام کر رہے تھے۔ ایک دفعہ صوبہ سرحد میں مسلم لیگ کی وزارت قائم کرنے کی غرض سے گئے۔ راستے میں لاہور اترے۔ کسی نے ذکر کیا کہ سالک اور مہر نے مسلم ٹاؤن میں نہر کے کنارے اپنے مکان بنوائے ہیں۔ مولانا نے خدا کا بہت شکر ادا کیا اور کہا کہ میں ابھی جا کر ان دونوں بھائیوں کے مکان دیکھوں گا۔ چنانچہ تشریف لائے اور کوئی تین گھنٹے تک میری کوٹھی کے سبزہ زار کو اپنے چٹکلوں اور لطیفوں سے لالہ زار بنائے رکھا۔ چندہ جمع کرنے سے کسی حال میں غافل نہ رہتے تھے۔ چنانچہ میرے سر ہو گئے کہ چندہ دو۔ میں نے کہا۔ مولانا اخبار نویسوں سے چندہ نہیں مانگا کرتے۔ ہم لوگ لکھ لکھ کر آپ کو چندہ دلواتے ہیں

www.taemeernews.com

خود چندہ دینا ہمارا کام نہیں، پھر ہمیں یہ بھی معلوم ہے کہ لیڈر چندہ کھا جاتے ہیں۔ آپ اپنی ذات کیلئے کوئی حکم دیجئے اس کی تعمیل ہوگی۔ اس پہ ہنسنے لگے اور شریر شیطان وغیرہ کہکر فرمایا۔ اچھا میرے لئے جو آنا سیگاروں کا ایک ڈبا منگا دو۔ میں نے کہا۔ بہت خوب چلئے میں آپ کے ساتھ شہر چلتا ہوں اور ڈبلے دیتا ہوں چنانچہ سیگاروں کا ڈبہ لے گئے۔

پاکستان کے قیام کی بنیاد

اس میں کوئی شک نہیں کہ اب برصغیر کے مسلمانوں کو مولانا شوکت علی جیسا بے پناہ کارکن۔ ایثار پیشہ لیڈر اور بیباک مجاہد مشکل ہی سے ملے گا جن کارکنوں رضاکاروں اخبار نویسوں اور دوسرے قومی خادموں نے مولانا شوکت علی کے ساتھ کام کیا ہے وہ آج بھی ان کا نام لیتے ہیں تو آبدیدہ ہو جاتے ہیں کیونکہ انہیں ویسے خلوص اور ویسی محبت کا نام ونشان بھی آج کل کے رہبران ملت میں نظر نہیں آتا حقیقت یہ ہے کہ ان دونوں بھائیوں نے برصغیر کے مسلمانوں کو جذبات اسلامی سے مالا مال کرنے میں جو حیرت انگیز خدمت انجام دی وہی پاکستان کے قیام کی بنیاد ثابت ہوئی۔ اگر مسلمانوں میں دینی غیرت اور ملی شعور بیدار نہ ہوتا تو وہ ہرگز اس قدر منظم اور متقاضی نہ ہو سکتے کہ اس ملک میں اپنی ایک آزاد مملکت قائم کرنے میں کامیاب ہو جاتے جب تک اس برصغیر میں اسلام اور مسلمانوں کا وجود باقی ہے مولانا شوکت علی کا نام آفتاب کی طرح درخشندہ رہے گا۔

www.taemeernews.com

ڈاکٹر اقبال

ڈاکٹر اقبال ہمارے عصر کے نابغۂ اعظم تھے۔ جن کی شخصیت نصف صدی تک ہمارے ملک کے علم و ادب، ملتِ اسلامی کے افکار و تصورات اور شعر و سخن کی مجالس پر ابرِ رحمت بن کر چھائی رہی۔ آج وہ دنیا میں موجود نہیں ہیں لیکن ان کا فکر آج بھی پڑھے لکھے مسلمانوں کے خیالات کی رہنمائی کر رہا ہے اور مدت دراز تک کرتا رہے گا۔ اقبال اردو اور فارسی کا شیوا بیان شاعر۔ اتحادِ عالم اسلامی کا انتھک مبلغ دنیا کا ایک نامور فلسفی اور اسلام کے اقدار و معیارات کا بدیع المثال محافظ اور مفسر تھا۔ اور یہ کہنا ذرا بھی مبالغہ میں شامل نہیں کہ مولانا رومؒ کے بعد عالم اسلام میں اس شان کا شاعر اور مفکر صرف اقبال تھا۔

www.taemeernews.com

درخواست تلمذ کا جواب

مجھے مدۃ العمر اقبال کی خدمت میں شرفِ نیاز حاصل رہا۔ ان کی شہرت اس صدی کے اوائل ہی میں قائم ہو چکی تھی۔ انجمن حمایت اسلام کے جلسوں میں ان کی نظمیں سننے کے لئے ہزاروں اشخاص جمع ہو جاتے تھے ۱۹۰۸ء میں میری عمر چودہ برس کی ہو گی کہ مجھے شعر کہنے کا شوق ہوا۔ میں نے علامہ اقبال کو تلمذ کے لئے خط لکھا۔ جس کے جواب میں انہوں نے تحریر فرمایا کہ ہر شخص کو طبیعت آسمان سے اور زبان زمین سے ملتی ہے۔ اگر آپ کی طبیعت شاعرانہ ہے تو آپ خود بخود شعر گوئی پر مجبور ہوں گے۔ باقی رہی زبان۔ تو اس کے لئے میں موزوں استاد نہیں ہو سکتا۔ مثل مشہور ہے کہ شاعری ایک "بے پیرا" فن ہے۔ لوگ اس مثل کو شاعری کی تحقیر کے لئے استعمال کرتے ہیں لیکن میرے نزدیک اس میں حکمت پوشیدہ ہے۔ شعر کے لئے کسی پیر استاد کی ضرورت نہیں۔ لیکن اگر تلمذ پر مصر ہی ہوں تو میں داغ کے دو قابل شاگردوں کے نام لکھتا ہوں۔ ان میں سے کسی سے رجوع کیجئے۔ منشی حیات بخش رسا شاعر دربار رام پور۔ اور سید محمد احسن مارہروی۔

انارکلی میں

اس کے بعد ۱۹۱۲ء میں مجھے لاہور آنے کا اتفاق ہوا تو میں ڈاکٹر صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا۔ ان دنوں آپ انارکلی بازار کے ایک بالاخانے میں رہتے تھے جس کی جگہ اب شوکت مارکٹ تعمیر ہو چکی ہے۔ اس زمانے میں بھی علامہ کی وضع یہی

www.taemeernews.com

تھی کہ ایک آرام کرسی پر مینیان پہنے اور تہمد باندھے بیٹھے رہتے تھے۔ حقہ لگا رہتا تھا۔ سردیوں میں اس لباس پر ایک کشمیری دھسے کا اضافہ ہو جاتا تھا۔ آس پاس کتابیں بکھری رہتی تھیں۔ کرسی کے ساتھ ہی ایک بستر لگا رہتا تھا۔ بیٹھے بیٹھے تھک جاتے تو بستر پر استراحت فرماتے۔ منشی طاہر الدین (موجد دل روز) ان کے منشی تھے۔ جو وکالت میں ان کی مدد کرتے تھے۔ خادم خاص علی بخش تھا جو آخر دم تک رہا اور اب بھی "جاوید منزل" ہی میں پڑا ہے۔ ڈاکٹر صاحب سرخ و سفید، وجیہہ و شکیل آدمی تھے ان کا عام لباس ترکی ٹوپی یا پشاوری لنگی، چپقلے کوٹ اور شلوار پر مشتمل تھا۔ عدالت جاتے وقت انگریزی سوٹ پہنتے۔ لیکن اس کو پسند نہ کرتے تھے۔ اور گھر آتے ہی فی الفور اس سے چھٹکارا حاصل کرتے۔

درد و گداز

میں اکثر حاضر ہوتا اور ڈاکٹر صاحب کی باتوں سے مستفیض ہوتا۔ اس وقت ان کی عمر چالیس برس سے کچھ کم تھی۔ لیکن نوجوانی کی رنگ رلیاں ترک کر چکے تھے اور اسلامیات کے وسیع مطالعہ اور قرآن حکیم پر تدبر و تفکر میں مصروف تھے۔ چونکہ اہل دل کی آغوش میں پرورش پائی تھی۔ اس لئے طبیعت میں سوز و گداز تھا۔ میں نے بارہا دیکھا کہ جوانی کے دور میں بھی جب کبھی دوران گفتگو میں حضور سرور کائنات صلعم کی رافت و رحمت کا ذکر آجاتا تو ڈاکٹر صاحب زار و قطار رونا شروع کر دیتے۔ اور دیر تک طبیعت نہ سنبھل پاتی۔

www.taemeernews.com

مجھے نوٹس

اس کے بعد میں نے ۱۹۱۴ء میں پٹھانکوٹ سے رسالہ "فانوسِ خیال" جاری کیا ایک دفعہ کسی اخبار میں ڈاکٹر صاحب کی ایک چھوٹی سی نظم نظر آئی جو میں نے فانوس خیال میں نقل کر لی۔ چند روز بعد ڈاکٹر صاحب نے مجھے ایک رجسٹرڈ نوٹس دے دیا کہ میں نے آپ کو اپنا کلام اشاعت کے لئے نہیں دیا۔ پھر آپ نے میری نظم کیوں شائع کی۔ میں بے حد پریشان ہوا۔ والد محترم سے ذکر کیا۔ ان کے ایک دوست محمد فاضل پٹھانکوٹ میں ٹھیکہ داری کرتے تھے اور سیالکوٹ کے رہنے والے تھے۔ اتفاق سے ڈاکٹر صاحب کے بے تکلف دوست بھی واقع ہوئے تھے وہ کہنے لگے، تم فکر نہ کرو۔ اقبال کے دماغ میں قانون کا فتور ہے۔ اس دفعہ لاہور جاؤں گا تو اس فتور کا علاج کر دوں گا۔ چنانچہ انہوں نے لاہور آکر ڈاکٹر صاحب کو اس حرکت پر ملامت کی۔

۱۹۱۵ء کے اواخر میں میں دوبارہ لاہور آیا اور اس وقت سے ۱۹۳۸ء تک تئیس سال کی مدت میں کوئی ہفتہ بھی ایسا نہ گزرا کہ میں ایک دو دفعہ ڈاکٹر صاحب کی خدمت میں حاضر نہ ہوا ہوں۔ ۱۹۲۱-۲۲ء میں قید فرنگ کی وجہ سے محروم نیاز رہنا پڑا۔ لیکن جب واپس آیا تو ڈاکٹر صاحب اس تپاک اور خلوص سے ملے کہ میں بھی بیدؔ ہو گیا اور وہ بھی اشکبار ہوئے اور دیر تک مجھے الدنیا سجن المومن کا مطلب سمجھاتے رہے۔ اس زمانے میں آپ میکلوڈ روڈ والی کوٹھی میں منتقل ہو گئے تھے۔ اور چودھری محمد حسین مرحوم سے ارتباط بہت بڑھ گیا تھا جو صبح و شام حاضر ہوا کرتے تھے۔ اور

www.taemeernews.com

ڈاکٹر صاحب کو ان کی تصانیف کی ترتیب و تہذیب میں مدد دیا کرتے تھے۔ میرا اور مہر صاحب کا معمول یہی تھا کہ جب بھی وقت ملتا ڈاکٹر صاحب کی خدمت میں حاضر ہو کر گھنٹوں بیٹھتے اور اکثر رات کے دس گیارہ بجے ڈاکٹر صاحب ہمیں اپنی غیر مطبوعہ نظمیں نہایت دلفریب ترنم میں سنایا کرتے۔ یہ سعادت صرف ہم تینوں ہی کو حاصل تھی۔ کیونکہ ڈاکٹر صاحب اپنا کلام سنانے میں بے حد بخیل واقع ہوئے تھے۔

ایک اور نوٹ

دارالاشاعت پنجاب سے سید امتیاز علی تاج نے ایک ماہانہ رسالہ "کہکشاں" جاری کیا۔ اس میں کہیں میں نے ڈاکٹر صاحب کی ایک نظم درج کر دی۔ جسے وہ انجمن حمایت اسلام کے جلسے میں پڑھ چکے تھے۔ حسب عادت ڈاکٹر صاحب نے سید امتیاز علی کو بھی ایک نوٹس بھیجدیا۔ جس پر میں نے خدمت میں حاضر ہو کر کسی قدر تلخ کلامی کی اور کہا کہ آپ اپنی بیرسٹری کا استعمال اپنے نیازمندوں پر نہ کیا کیجئے۔ چند سال پیشتر آپ نے مجھے نوٹس دے دیا تھا۔ اب امتیاز کو دے دیا۔ اور اس کو بھی میں اپنے نام نوٹس ہی سمجھتا ہوں۔ اس لئے کہ کہکشاں کی ترتیب میرے سپرد ہے۔ کسی قدر بحث کے بعد ڈاکٹر صاحب ٹھیک ہو گئے اور قصہ گیا گزرا ہوا۔

دلکش ترنم

میں نے متعدد بار ڈاکٹر صاحب کو عام مجمعوں میں نظمیں سناتے دیکھا ہے انجمن حمایت اسلام کے چند اجلاسوں کے علاوہ "جواب شکوہ" موچی دروازے

www.taemeernews.com

کے باہر باغ میں اور "طرابلس کے شہیدوں کا لہو" بادشاہی مسجد میں پڑھی گئیں۔ دونوں موقعوں پر میں موجود تھا۔ نظموں کو ترنم سے پڑھنے کا شعار سب سے پہلے ڈاکٹر صاحب ہی نے اختیار کیا تھا اور چونکہ موسیقی کے مبادی سے باخبر ہونے کے علاوہ ان کی آواز میں شیرینی اور لہجے میں سوز و گداز تھا۔ اِس لئے ہزاروں کا مجمع مسحور و مبہوت ہو جاتا تھا۔ بعض موقعوں پر میں نے دیکھا کہ شعر خوانی کے دوران میں ڈاکٹر صاحب کے آنسو ان کے رخساروں پر بہہ رہے ہیں اور آواز کے سوز میں زیادہ گہرائی پیدا ہو گئی ہے۔ یہ کیفیت حاضرین مجلس تک منتقل ہو جاتی اور آہ و فریاد کی آوازیں ہر طرف سے بلند ہونے لگتیں۔

قرآن حدیث فقہ

ڈاکٹر صاحب جدید و قدیم علوم کے جامع تھے۔ قرآن مجید سے ان کو عشق تھا۔ ہر روز صبح کے وقت خوش الحانی سے تلاوت کرتے اور اکثر اشکبار ہو جاتے قرآن کے معارف پر ژرف نگاہی سے غور کرتے۔ اور ایسے ایسے بیش بہا نکات بیان فرماتے جو اس سے قبل کسی مفسر کو نہ سوجھے تھے۔ ان کا عقیدہ تھا کہ آج کل کے انسان میں معارف قرآنی کے فہم کی صلاحیت قرون اولیٰ کے مسلمانوں کی نسبت بہت زیادہ ہے۔ کیونکہ گذشتہ چودہ سو سال میں انسان نے فکری اور سائنسی علوم میں جو ترقی کی ہے اس نے قرآن کو آسان تر کر دیا ہے اور تسخیر کائنات کے سلسلے میں انسان جو کچھ کر رہا ہے وہی قرآنی تعلیمات کا منشا ہے۔ حدیث کے عاشق تھے۔ کیونکہ ان کے عشق رسول کا طبعی تقاضا یہی تھا۔ حضور صلعم کی حکمت بالغہ کا

www.taemeernews.com

تصور کر کے اکثر رو پڑتے۔ البتہ قانونی اہمیت کی حدیثوں کے متعلق ان کا نقطۂ نگاہ یہ تھا کہ اگر حضور صلعم نے کوئی قانونی فیصلہ کیا ہے تو دیکھنا یہ ہوگا کہ وہ فیصلہ کن حالات میں صادر ہوا۔ اگر حالات وہی ہیں تو فیصلہ بھی وہی قائم رہے گا اگر حالات مختلف ہیں تو فیصلہ بھی حدیث سے مختلف ہوگا۔ کیونکہ اختلافِ زمان سے اختلاف احکام فقہا کا مسلمہ اصول ہے۔ ایسی صورت میں حدیث کے الفاظ کی جگہ اس کی روحیت اور معنویت پیش نظر رکھنی ہوگی۔

فقہ اسلامی کے متعلق ڈاکٹر صاحب عمر بھر یہی کہتے رہے کہ بلاشبہ ہمارے فقہا و مجتہدین نے فقہ پر بڑی محنت کی ہے اور ان کی یہ محنت صرف قابل داد و تحسین ہی نہیں بلکہ اس سے ہر دور کے مسلمانوں کو استفادہ کرنا چاہیئے۔ لیکن آج کے دور میں ضرورت ہے کہ اصول فقہ کو زمانہ حال کی "جیورس پروڈنس" کے انداز پر ازسرنو مدون کیا جائے تاکہ ہم مسلمانوں کے لئے نہایت واضح نظامِ شریعت بھی مہیا کر سکیں اور دنیا کو یہ بھی بتا سکیں کہ ہمارا قانون دنیا بھر کے قوانین و شرائع پر ہزار وجوہ فضیلت رکھتا ہے۔ ڈاکٹر صاحب یہ کام خود کرنا چاہتے تھے لیکن انسانی عمر بہت کوتاہ ہے۔ اور کام بہت ہی بڑا ہے۔ اس کے علاوہ یہ کام کسی ایک آدمی کے کرنے کا بھی نہیں۔ اس لئے وہ محض اصول پیش کر سکے اور اپنے ہر خطبے میں انہوں نے مسلمان اہل شریعت اور ماہرین قانون کی توجہ اس کام کی طرف مبذول کرائی۔ اب اگر مستقبل میں اہل علم اور اہل فکر کی کوئی جماعت اس کام کی تکمیل پر کمربستہ ہوگی تو یہ بھی ڈاکٹر اقبال ہی کی تلقین و ہدایت کا نتیجہ ہوگا۔

www.taemeernews.com

ادبیات کی رہنمائی

اسلامی ادبیات کا رخ بدلنے میں بھی ڈاکٹر اقبال کی خدمات بے حد قابل قدر ہیں، انہوں نے اردو کی شاعری کو مریضانہ زار نالی، حسرت و حرماں اور مایوسی و افتادگی سے نجات دلا کر حیات افروز اور جذبہ انگیز خیالات نظم کرنے پر آمادہ کیا اور "ادب برائے ادب" کے نظریہ کو باطل قرار دے کر ادب کے روابط زندگی کے ساتھ استوار کئے۔ فارسی اس ملک میں مر رہی تھی۔ اس کو چند سال کے لئے حیات تازہ دے دی اور اس زبان کے ذریعے سے اپنے افکار و خیالات ساری دنیائے اسلام تک پہنچا دیئے۔

جلیل القدر شاعر اور عظیم الشان فلسفی ہونے کے باوجود ڈاکٹر صاحب کی طبیعت میں ظرافت اور تفنن کا ذوق بدرجۂ اتم موجود تھا۔ انقلاب کے افکار و حوادث کو بڑے شوق سے پڑھتے اور اکثر کہا کرتے کہ سالک کے افکار و حوادث میں ایک ہی خرابی ہے کہ بہت کم ہوتے ہیں مزا آنے لگتا ہے تو کالم ختم ہو جاتا ہے۔ آپ صبح سے شام تک بے شمار آنے والوں سے علمی، سیاسی، ادبی، فلسفیانہ موضوعات پر گفتگو کرتے اور معلومات کا دریا رواں رہتا۔ لیکن ان کی خوش طبعی بذلہ سنجی اور لطیفہ گوئی ان مذاکرات کو کبھی گراں بار اور غیر دلکش نہ ہونے دیتی۔

آم سے شوق

ڈاکٹر صاحب کو آم کھانے کا بے حد شوق تھا ہر سال میاں نظام الدین مرحوم ہم

www.taemeernews.com

لوگوں کو اپنے باغات میں آم کھانے کی دعوت دیتے۔ اور ہم ڈاکٹر صاحب کی "صدارت" میں صبح سے جو آم کھانا شروع کرتے تو یہ سلسلہ ایک بجے تک جاری رہتا۔ اس محفل میں چودھری محمد حسین اور ڈاکٹر عبداللہ چغتائی اپنی بے پناہ انبہ خوری کی وجہ سے ڈاکٹر صاحب کی پھبتیوں اور لطیف چوٹوں کا نشانہ بنتے۔ اور میں۔ مہر۔ تاثیر۔ میاں اسلم۔ عبدالرحمٰن چغتائی۔ حکیم یوسف حسن۔ میاں امیرالدین اور دوسرے احباب آم کھانے اور قہقہے لگانے کے سوا اور کچھ نہ کرتے۔ جب ڈاکٹر صاحب علالت طبع کی وجہ سے معالج کے حکم کے تحت آم کھانے سے محروم ہو گئے تو بے حد مضطرب ہوئے اور کہنے لگے کہ مرنا تو برحق ہے۔ پھر آم نہ کھا کر مرنے سے آم کھا کر مرجانا بہتر ہے۔ حکیم نابینا صاحب سے اصرار کر کے ایک آم روزانہ کھانے کی اجازت حاصل کر لی۔ ایک دن میں حاضر ہوا تو کیا دیکھتا ہوں کہ ڈاکٹر صاحب کے سامنے ایک پلیٹ میں کوئی سیر بھر کا بمبئی آم رکھا ہے اور ڈاکٹر صاحب اس کو کھانے کے لئے چھری اٹھا رہے ہیں۔ میں نے کہا آپ نے پھر بدپرہیزی شروع کر دی۔ کہنے لگے نہیں۔ حکیم صاحب نے روزانہ ایک آم کھانے کی اجازت دے دی ہے اور یہ آم بہرحال ایک ہی آم تو ہے۔

اس زمانے میں جب بہاولپور۔ ملتان۔ شجاع آباد سے کوئی آموں کی ٹوکری بھیجتا۔ تو علی بخش کو بھیج کر مجھے اور مہر صاحب کو بلوا لیتے۔ قالین کے فرش پر اخبار بچھا کر ایک دیگچے میں پانی سے آم تر کئے جاتے۔ ہم لوگ بیٹھ کر کھانے لگتے۔ اور ڈاکٹر صاحب سونے پر بیٹھے ہوئے دیکھتے رہتے۔ ایک دن کہا۔ اب میں کھانے کی منزل سے گزر کر کھلانے کے مرحلے میں ہوں اور مجھے

www.taemeernews.com

آم کھلا کر بھی مسرت ہوتی ہے۔ میں نے کہا ڈاکٹر صاحب یہ تو وہی بات ہوئی "پیشہ کند دلالی"۔ ہنسے اور کہنے لگے۔ مجھے یقین تھا کہ سالک صاحب یہ مصرع پڑھے بغیر نہ رہیں گے۔

آواز بیٹھ گئی

مرنے سے چند سال پہلے آواز بیٹھ گئی تھی جو یونانی ڈاکٹری اور ریڈیائی غرض کسی علاج سے بھی درست نہ ہوئی اور اس بلبل ہزار داستان کے چہچہے ختم ہو گئے۔ زیادہ باتیں ہمیں لوگ کیا کرتے اور ڈاکٹر صاحب بہ تکلف چند فقرے ارشاد فرماتے۔ آخری دو تین سال کی مدت میں چودھری محمد حسین۔ میاں محمد شفیع (جرنلسٹ) سید نذیر نیازی اور راجا حسن اختر ڈاکٹر صاحب کی خدمت میں اکثر حاضر رہتے۔ مہر صاحب کبھی کبھی جاتے اور ہمیشہ ڈاکٹر صاحب کی گرتی ہوئی صحت کو دیکھ کر مضطرب واپس آتے۔ ڈاکٹر صاحب کی دلی خواہش تھی کہ حجاز جائیں اور فریضہ حج ادا کر کے اماکن مقدسہ کی زیارت سے مشرف ہوں۔ لیکن روز افزوں بیماری کے باعث یہ مبارک ارادہ پورا نہ ہو سکا۔ اور ڈاکٹر صاحب نے اپنے تصور ہی میں حجاز کا سفر اختیار کر کے اپنے تاثرات "ارمغان حجاز" میں بیان کر دیئے جو ان کے انتقال کے بعد شائع ہوئی۔

میں ڈاکٹر صاحب کے متعلق متعدد مضامین لکھ چکا ہوں۔ اپنی "سرگزشت" میں جا بجا ان کا تذکرہ کر چکا ہوں بلکہ "بزم اقبال" کی فرمائش پر ان کی پوری سوانح عمری بھی "ذکر اقبال" کے نام سے تالیف کر چکا ہوں۔ اس لئے اس چھوٹے سے مضمون میں

www.taemeernews.com

کوئی ایسی بات بیان نہیں کرسکتا جو پہلے نہ لکھی جا چکی ہو۔ اس لئے معذرت خواہ ہوں۔

خدا کی قدرت ہے کہ جو شخص عمر بھر مسلمانوں کی حریت اسلامی حکومت اور اتحاد المسلمین کی دعوت دیتا رہا اور جس نے مرنے سے سات سال پیشتر مسلمانوں کو پاکستان کا نصب العین بھی دے دیا۔ اپنے اس خواب کی تعبیر نکلنے سے نو سال پیشتر ہی اپنے پیدا کرنے والے کے دربار میں پہنچ گیا۔ اور "لوائے پاکستانِ آزاد" کو لہراتا ہوا نہ دیکھ سکا۔ لیکن جب تک پاکستان قائم ہے۔ یہی جھنڈا لہرا لہرا کر پاکستانیوں کو اقبال کی یاد دلاتا رہے گا۔

www.taemeernews.com

www.taemeernews.com

مولانا ابوالکلام آزاد

جس زمانے میں مولانا ابوالکلام آزاد بھی بے ریش و بروت انسان تھے اور نوعمری کے باوجود علم و فضل اور لسانی و طراری کے اعتبار سے اپنے ہمسروں اور ہمعصروں سے کوسوں آگے تھے۔ بمبئی میں آغا حشر۔ ابونصر آہ۔ اور نظیر حسن سخا کے ساتھ عیسائیوں اور آریوں سے مناظرے کیا کرتے تھے اور اپنے اہتمام سے ایک ماہانہ رسالہ "بلاغ" بھی نکالتے تھے۔ مناظروں کے سلسلے میں انہیں مرزا غلام احمد قادیانی کی بعض ایسی کتابیں پڑھنے کا اتفاق ہوا جن میں عیسائیوں اور آریوں کے مقابلے میں اسلام کی حمایت کی گئی تھی۔ یاروں کا یہ مجمع ایک دفعہ تو فیصلہ ہی کر چکا تھا کہ پنجاب جائیں اور مرزا صاحب سے ملیں۔ لیکن اتفاقات زمانہ کی وجہ سے

www.taemeernews.com

یہ فیصلہ عمل میں نہ آسکا۔ بہرحال مولانا ابوالکلام مرزا صاحب کے دعوائے مسیحیت موعود سے تو کوئی سروکار نہ رکھتے تھے لیکن ان کی غیرت اسلامی اور حمیت دینی کے قدردان ضرور تھے۔ یہی وجہ ہے کہ جن دنوں مولانا امرت سر کے اخبار "وکیل" کی ادارت پر امور تھے اور مرزا صاحب کا انتقال انہی دنوں ہوا۔ تو مولانا نے مرزا صاحب کی خدمات اسلامی پر ایک شاندار تذرہ لکھا۔ امرتسر سے لاہور آئے اور یہاں سے مرزا صاحب کے جنازے کے ساتھ بٹالہ تک گئے۔

ابوالکلام اور الہلال

مولانا شبلی نوعمر ابوالکلام آزاد کی علمیت سے اس قدر متاثر ہوئے کہ انہوں نے "الندوہ" کی ادارت انہیں سونپ دی۔ مولانا کی نوعمری کی وجہ سے اکثر بزرگوں کو یقین نہ آتا تھا کہ جو فاضل جلیل "الندوہ" میں مضامین لکھتا ہے وہ یہی لڑکا ہے بلکہ مولانا حالی تو ایک دفعہ مولانا ابوالکلام کو مولانا ابوالکلام آزاد کا صاحبزادہ سمجھ بیٹھے تھے اور بعد میں بیحد حیرت اور ندامت کا اظہار کیا تھا۔ موجودہ صدی کے عشرۂ دوم کے آغاز میں مولانا ابوالکلام آزاد اور ان کا صحیفہ "الہلال" اس شان و شوکت سے خطابت و صحافت کے افق پر جلوہ گر ہوئے کہ ملک بھر کی آنکھیں خیرہ ہو گئیں۔ مسلمانوں کو اس سے پیشتر نہ تو ایسے روشن طبع، طباع و طرار اور ادیب و خطیب عالم دین کو دیکھنے کا اتفاق ہوا تھا اور نہ ایسا اخبار ہی کبھی جاری ہوا تھا۔ جو اعلیٰ درجے کے کاغذ پر، نسخ ٹائپ میں، باتصویر اور بہترین مغربی ٹھاٹھ سے منصۂ شہود پر آیا ہو۔ علوم و السنۂ مشرقیہ کے شیدائی، ادب و انشا کی خوبیوں کے رسیا اور مسلمانوں

www.taemeernews.com

میں حیات ملی کے احیا کے آرزومند پروانہ وار ٹوٹ ٹوٹ کر "الہلال" اور ابوالکلام پر گرے اور دو ہفتوں کے اندر ہی ان کا شہرہ ہندوستان کے ایک گوشے سے دوسرے گوشے تک پہنچ گیا۔ مجھے اعتراف ہے کہ مجھے لکھنے پڑھنے کا ذوق شوق بخشنے اور جذبات کے اعتبار سے پرجوش مسلمان بنانے میں علامہ اقبال کی نظم اور ابوالکلام آزاد کی نثر نے سب سے بڑا حصہ لیا ہے۔ میں ان دونوں کے اثراتِ خامہ کا مطالعہ نہایت پابندی سے کرتا رہا۔ اور مولانا نے تو میرے نام "الہلال" اعزازی طور پر جاری کر رکھا تھا۔

۱۹۱۲ء میں مولانا لاہور آئے اور بعض نوجوانوں نے جہاد پر ان سے بیعت کی جن میں ہمارے مہر صاحب بھی شامل تھے اور اس زمانے میں پڑھتے تھے موچی دروازے کے باہر باغ میں ہزارہا کا مجمع ہوا جس میں مولانا نے ایک بے نظیر تقریر کی بے ریش و بروت سرخ و سفید چہرہ۔ بڑی بڑی سخن گو آنکھیں، حرکات و سکنات شیریں اور سنجیدہ۔ خطابت کے کمالات اور زبان و ادب کے محاسن ان سب نے مل کر مجمع کو مسحور کر رکھا تھا اور مولانا سے میری شیفتگی اور فریفتگی کی تو کوئی حد نہ تھی۔

رانچی میں خط و کتابت

چونکہ مولانا ابوالکلام آزاد بھی "اتحاد عالم اسلامی" کی تحریک کے بڑے کارکنوں میں شمار کیے جاتے تھے۔ اس لئے جنگ عظیم اول میں جہاں محمد علی شوکت علی، ظفر علی وغیرہ پابند کر دیئے گئے وہاں مولانا ابوالکلام بھی رانچی (بہار)

www.taemeernews.com

میں نظربند ہوئے اور جو آفتاب رشد و ہدایت کلکتہ کے افق سے سارے ملک میں تجلیاں بکھیر رہا تھا۔ صرف رانچی کے مسلمانوں کے لئے وقف ہوگیا جنہوں نے اس نعمت غیر مترقبہ سے بے مدا استفادہ کیا۔

میں ان دنوں تہذیب نسواں اور پھول کا ایڈیٹر تھا۔ ایک خاتون نے "فسخ نکاح زوجۂ معلقہ" کا مسئلہ تہذیب نسواں میں چھیڑا۔ اس پر ایک صاحب نے اخبار "وکیل" (امرتسر) میں تلخ سا مقالہ لکھ دیا جس کا جواب میں نے "وکیل" ہی میں دیا۔ اس سے چند روز بعد ایک دن دفعتہً مولانا ابوالکلام کا ایک خط میرے نام آیا جس میں میرے مضمون کی تعریف کی تھی۔ اور مسئلے کے چند پہلو بھی واضح کئے تھے۔ میں نے اس خط کا جواب دیا تو مولانا نے لکھا کہ "آپ کی استعداد سے زیادہ آپ کے حسن خط کا اثر مجھ پر ہوا۔ میرا خیال ہے کہ جس شخص کا خط اچھا ہو اس کی فطرت میں بھی کوئی نہ کوئی حسن پوشیدہ ہوتا ہے۔ آپ اپنے مزید حالات لکھئے" میں نے حالات لکھ دیئے۔ اس پر مولانا نے لکھا کہ "کوئی پچاس ہزار دستخطوں سے ایک محضر گورنر بنگال کو بھیجا گیا ہے جس میں میری رہائی کا مطالبہ کیا گیا ہے۔ غالباً میں عنقریب رانچی کی نظر بندی سے رہا کر دیا جاؤں گا اور "الہلال" کے دوبارہ اجراء کی صورت پیدا ہو جائے گی۔ اس لئے آپ تیار رہیئے۔ میں چاہتا ہوں کہ چند سال رفاقت و یکجائی میں بسر ہو جائیں اور آپ الہلال میں کام کریں وجہ معاش کی فکر نہ کیجئے۔ جو کچھ آپ کو لاہور میں ملتا ہے وہ مع اس اضافہ کے جو کلکتہ کی گرانیٔ مصارف کی بنا پر ضروری ہوگا، آپ کی خدمت میں پیش کر دیا جائے گا۔

خط و کتابت جاری رہی اور میری مسرت کی کوئی انتہا نہ تھی کیونکہ مجھے

www.taemeernews.com

اس شخص نے رفاقت تحریر کے لئے منتخب کیا تھا جس کو آغاز "الہلال" ہی سے میں نے انتہائی احترام اور مرعوبیت سے دیکھا تھا۔ میں سوچتا تھا کہ اگر چند سال مولانا کے ساتھ بسر ہو گئے اور میں نے ان سے قرآن حکیم سمجھ لیا تو دینی و دنیاوی برکات کا خزانہ سمٹ کر میرے قبضہ میں آجائے گا لیکن اے بسا آرزو کہ خاک شدہ گورنر نے محضر کو نامنظور کر دیا اور مولانا بدستور نظر بند رہے۔

مولانا لاہور میں

اس کے بعد مولانا اس زمانے میں لاہور تشریف لائے جب تحریک خلافت ختم ہو چکی تھی۔ شدھی، سنگھٹن اور تبلیغ و تنظیم کا دور تھا۔ مولانا موٹر کار میں امرتسر سے لاہور پہنچے۔ میں اور مہر صاحب بھی استقبال کرنے والوں میں شامل تھے۔ سالہا سال کے بعد میں نے مولانا کی زیارت کی۔ اب کنپٹیوں پر ہلکی ہلکی داڑھی بہار دے رہی تھی۔ میاں عبدالعزیز بیرسٹر ایٹ لا کے دولت کدہ پر قیام ہوا۔ ہر سیاسی عقیدے کے مسلمان اکابر جمع ہوئے۔ جن سے مولانا نے مسلمانوں کی سیاست پر گفتگو کی۔ اور کانگرسی ہندو لیڈروں اور کارکنوں سے بھی ملاقاتیں کیں۔ مقصود یہ تھا کہ ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان جو سیاسی ہم آہنگی پیدا ہو چکی ہے۔ اسے فرقہ وار تحریکوں سے برباد نہ ہونے دیا جائے

کلکتہ سے "البلاغ" جاری ہوا۔ پھر "الہلال" ٹائپ کے بجائے لیتھو میں چھپنے لگا۔ اگرچہ اب اس کی افادی حیثیت بڑھ گئی تھی۔ لیکن چونکہ جوش و خروش کا زمانہ گزر چکا تھا۔ اس لئے وہ جذبات انگیز انشا پردازی مفقود تھی جس کی توقع

www.taemeernews.com

نوجوانوں کو" الہلال سے ہمتی۔

ٹرین میں ملاقات

جن دنوں ملک کے مختلف صوبوں میں کانگرسی وزارتیں قائم ہو رہی تھیں مولانا ابوالکلام ترتیب وزارت کے لئے صوبہ سرحد تشریف لے گئے۔ مہر صاحب نے ان کو لکھا کہ آپ کی اور ہماری سیاست میں جو بُعد ہے اس کا یہ نتیجہ تو نہ ہونا چاہیے کہ ہم آپس میں مل بھی نہ سکیں۔ آپ اپنی مصروفیت ہی میں آئے اور غالباً اسی مصروفیت کے عالم میں واپس چلے جائیں گے تو پھر ہم جیسے نیازمندوں کو استفادے کا موقع ملے تو کیونکر۔ مولانا نے پشاور سے لکھا کہ میں پشاور سے واپس روانہ ہوتے وقت آپ ہی کو تار دوں گا اور کسی کو میرے آنے کی اطلاع نہ ہو گی۔ آپ ریلوے سٹیشن پر آجائیے۔ چونکہ یہاں کی ٹرین کے لاہور پہنچنے اور دہلی جانے والی ٹرین کے روانہ ہونے کے درمیان دو ڈھائی گھنٹے کا وقفہ ہے اس لئے بوجہ احسن ملاقات ہو سکتی ہے۔

جب مولانا کا تار آیا تو ہم نے یہ فیصلہ کیا کہ ریلوے سٹیشن لاہور پر ممکن ہے بعض اور لوگ بھی مولانا سے ملنے آجائیں اور ہمارا مزا کرکرا ہو۔ اس لئے گوجرانوالہ چلو۔ وہاں سے مولانا کے ساتھ ٹرین میں بیٹھ کر آئیں گے چنانچہ ہم گوجرانوالہ چلے گئے اور جب مولانا کی ٹرین پہنچی تو ان کے ڈبے میں داخل ہو گئے۔ حسب معمول تپاک اور شگفتہ روئی سے ملے۔ اور باتیں شروع ہوئیں۔ ہماری سیاست "جداگانہ اور پاکستانی" مولانا سر سے پاؤں تک نیشنلزم اور کانگرس میں مستغرق لہٰذا

www.taemeernews.com

ہم مولانا سے کبھی سیاسی بات چیت نہ کرتے تھے۔ ہمیشہ قرآن، ادب اور تصانیف وغیرہ کے مسائل میں استفادہ کیا کرتے تھے۔ دو گھنٹے بہت دلچسپ اور مفید باتیں ہوئیں۔ لاہور سٹیشن پر کوئی کانگرسی موجود نہ تھا۔ لہٰذا وہاں بھی بات چیت اور بذلہ سنجی اور لطیفہ گوئی جاری رہی۔ اس کے بعد کچھ گاندھی ٹوپیاں نظر آگئیں۔ جن کو کسی طریقے سے مولانا کی آمد کی اطلاع ہو گئی تھی۔ چنانچہ ہم رخصت ہوئے اور مولانا کو کانگرسی اخباروں کے رپورٹروں کے حوالے کر گئے۔

رائشٹر پتی

اس کے بعد ایک دفعہ مولانا لاہور تشریف لائے اور میاں محمود علی صاحب بیرسٹر ایٹ لا (خلف مولانا عبدالقادر قصوری) کے ہاں دعوت چائے پر ملاقات ہوئی۔ اسی دن مولانا کانگرس کے صدر منتخب ہوئے تھے۔ یہاں بعض نوجوانوں نے اپنی عادت اور اپنے معمول کے مطابق مولانا پر سیاسی سوالات کی بوچھاڑ کر دی۔ مولانا اپنے ذوق کے مطابق سنجیدگی سے جواب دیتے رہے لیکن جب عامیانہ جرح و قدح ہونے لگی تو بہت بیزار ہوئے اور مولانا عبدالقادر نے اس ناگوار صحبت کو ختم کر دیا۔

میاں افتخار الدین کے ہاں

پھر ایک دفعہ میاں افتخار الدین کے ہاں میں اور مہر صاحب حاضر خدمت ہوئے۔ ان دنوں لاہور میں جمعیت العلما کا اجلاس ہو رہا تھا جس پر میں نے "ریشتغ"

www.taemeernews.com

کی پھبتی کہی تھی۔ مہر صاحب نے یہ پھبتی مولانا کے گوش گزار کی۔ انہوں نے بہت داد دی۔ اور کہا کہ لمبی لمبی جھالر نما ڈاڑھیوں کے مجمع کو اس سے بہتر کیا نام دیا جا سکتا ہے۔ پھر مجھ سے پوچھا کہئے سالک صاحب کیا مشغلے ہیں۔ میں نے عرض کیا وہی سیاست و صحافت کی خاک بازی فرمایا۔ جی ہاں۔ کوئی نہ کوئی لگاؤ اور اٹکاؤ زندگی بسر کرنے کے لئے ضرور ہونا چاہیئے۔ میں نے کہا کہ یہ کانگرس کی صدارت وغیرہ بھی تو لگاؤ اور اٹکاؤ ہی ہے۔ فرمانے لگے اس میں کیا شبہ ہے زندگی بغیر کسی اٹکاؤ کے بسر ہو ہی نہیں سکتی۔

مہر صاحب چونکہ مولانا سے بعض علمی مسائل پر بطور خاص گفتگو کرنا چاہتے تھے۔ اور تخلیہ کے طالب تھے۔ اس لئے مولانا نے ان سے کہا کہ آپ صبح کاذب کے وقت آئیے تو تخلیہ میسر آ سکتا ہے چنانچہ مہر صاحب صبح ۳½ بجے مولانا سے ملتے تھے۔ دو ڈھائی گھنٹے قطعی تخلیہ مل جاتا تھا اور چینی چائے کا دور بھی چلتا تھا۔

فلیٹی ہوٹل میں

غالباً آخری دفعہ مولانا اس وقت لاہور آئے جب ملک خضر حیات خاں وزارت مرتب کر رہے تھے اور لیگ اور کانگرس کے درمیان کوئی مفاہمت زیر غور تھی۔ مولانا نے فلیٹی ہوٹل میں قیام کیا۔ ہر وقت سیکڑوں کانگرسی ان کے درشن کے لئے جمع رہتے۔ آخر میں نے اور مہر صاحب نے کہلا بھیجا کہ ہم حاضر ہونا چاہتے ہیں۔ وقت مقرر ہو گیا۔ دوپہر کے وقت ہم باریاب ہوئے۔ مولانا

www.taemeernews.com

نے مولوی حبیب الرحمٰن لودھیانوی سے کہہ دیا کہ بس اب کمرے کا دروازہ بند کر دیجئے اور لوگوں سے کہہ دیجئے کہ میں آج کسی سے نہیں ملوں گا۔ ہم حاضرِ خدمت ہوئے تو مولانا نے چائے کا سروسامان درست کیا۔ اور نہایت مخلی بالطبع ہو کر باتیں شروع کیں۔ سالک صاحب آپ کو معلوم ہے۔ عربی میں کھٹائی کو کیا کہتے ہیں۔ میں نے عرض کیا۔ حموض۔ کہنے لگے۔ کھٹا کرنا "تحمیض" کہلاتا ہے۔ برے معنی میں نہیں بلکہ چٹپٹا بنانے کے معنی میں۔ عربی میں ایک قول ہے حمضوا مجالسکم۔ اپنی مجلسوں اور صحبتوں کو چٹپٹا بناؤ۔ تو آپ کے آنے سے ہماری مجلس چٹپٹی بن گئی۔ اس کے بعد ترجمان القرآن کی اشاعت۔ اس کے تیسرے حصے کی ترتیب۔ سورہ فاتحہ کی تفسیر کے متعلق باتیں ہوتی رہیں۔ مہر صاحب نے "سیرت سید احمد شہید" کے متعلق کچھ گزارشات پیش کیں۔ بعض امور سے مولانا نے اختلاف کیا تو مہر صاحب کچھ بگڑے اور کہنے لگے۔ مولانا۔ میں اس قسم کے تمام شبہات و وساوس کا سدباب کر دوں گا۔ میرے پاس مواد بھی ہے اور دلائل بھی۔ فرمایا۔ ہاں ہاں میرے بھائی۔ یہ تو بہت اچھا ہوگا۔ آپ ضرور کوشش کیجئے۔ یہ تو بہت اچھا ہوگا۔

اس موقع پر بعض عقیدت مندوں نے فلیٹی میں ایک ٹی پارٹی کا اہتمام کیا جس میں ہر مذہب و ملت اور ہر عقیدہ سیاسی کے کوئی آٹھ سو اشخاص شریک ہوئے مولوی حبیب الرحمٰن لودھیانوی۔ مولانا داؤد غزنوی۔ آغا شورش کاشمیری وغیرہ مولانا کے ساتھ بیٹھے تھے۔ احباب کی گذارش پر مولانا نے ۴۵ منٹ تک تقریر کی۔ کمال یہ تھا کہ اس تقریر میں ہندو، مسلمان۔ کانگرس۔ لیگ۔ تحریک پاکستان۔ گاندھی جناح یا اور کسی شخصیت یا ادارے کا نام تک نہیں آیا لیکن مولانا کو جو کچھ کہنا تھا وہ

www.taemeernews.com

سب کہہ گئے اور لطف یہ ہے کہ کسی کو تقریر کے کسی فقرے سے ناگواری نہیں ہوئی۔ اعتراض کی گنجائش بھی نہیں نکلی بلکہ سب اس خطیب زمانہ کے حسن بیان سے مسحور ہو رہے تھے۔

دہلی میں ملاقات

پاکستان قائم ہونے کے بعد مولانا ایک دو دفعہ کراچی سے ہو کر گذرے لیکن دو روزہ قیام کا بھی کبھی اتفاق نہیں ہوا۔ مہر صاحب دہلی جاکر ان سے مل آئے۔ اور اپنی کتاب کے متعلق فراہمی مواد اور مشورت میں مستفیض ہوئے اب سے تین سال پہلے میں ایک مشاعرے کے سلسلے میں دہلی گیا تو سب سے پہلے مولانا کی خدمت میں حاضر ہوا۔ دوپہر کے دو بجے تھے۔ جب میں مولوی اجمل خاں صاحب کے ساتھ حکومت ہند کے وزیر تعلیم کی شاندار کوٹھی کے پر بہار کمرے طے کرتا ہوا اس گوشے میں پہنچا جہاں مولانا بیٹھے تھے تو دیکھا کہ کچھ مکھن لگے توس پلیٹ میں رکھے ہیں اور چائے کا سامان بھی موجود ہے۔ علیک سلیک... اور بغلگیری کے بعد میں نے پوچھا۔ مولانا۔ یہ بریک فاسٹ ہے یا لنچ؟ سامان کے لحاظ سے ناشتا معلوم ہوتا ہے اور وقت کے اعتبار سے کھانا۔ آخر یہ کیا ہے بہت شگفتہ ہوتے کہنے لگے "غریب کو جس وقت ملے"۔ میں نے کہا۔ مجھے تو یہ "امیر کو جس وقت بھوک لگے" کا کیس معلوم ہوتا ہے اس قسم کی ہلکی پھلکی باتیں ہوتی رہیں۔ ترجمان القرآن کے متعلق بتایا کہ بمبئی کا ایک مطبع ہے فیصلہ ہو گیا ہے وہ چھاپے گا اور تیسری جلد بھی مرتب ہوگئی

www.taemeernews.com

ہے وہ بھی اسی کے حوالے کی جائے گی۔ پھر خواجہ ناظم الدین اور خواجہ شہاب الدین کی صحت کے متعلق دریافت کرتے رہے اور کوئی ڈیڑھ گھنٹہ بعد میں نے اجازت چاہی۔

جب میں دوسری دفعہ دہلی گیا تو اس وقت مولانا ایک حادثہ کی وجہ سے فرلیش بستر علالت تھے۔ میں نے مولوی اجمل خاں صاحب سے حالات دریافت کئے۔ ایسی حالت میں مولانا کو تکلیف دینا مناسب نہ سمجھا اور مجبوراً بے دیکھے واپس آگیا۔

وضعداری اور لطافتِ طبع

مولانا کی پابندی وضع اور متانت ملک بھر میں مسلّم ہے۔ غذا و لباس نشست برخاست، تعلقات و روابط۔ انداز اظہار کی شائستگی۔ سخن طرازی و بذلہ سنجی جو پہلے دن تھی وہی اب تک قائم ہے اور اس اعتبار سے وہ برصغیر پاک و ہند میں غالباً کوئی مثال نہیں رکھتے۔ صاف ستھری، لطیف اور قلیل غذا کھاتے ہیں گوشت ہو یا سبزی یا دال، جب تک صفائی اور لطافت محفوظ ہے مولانا کو ہر شے پسند ہے۔ اور اگر غذا کے کسی جزو میں بھاری پن یا تکلف نظر آئے تو مولانا اس کو ہاتھ تک نہ لگائیں گے اور روٹی کے چھوٹے چھوٹے چند نوالے کھا کر دسترخوان سے اٹھ جائیں گے۔ میٹھا پسند نہیں، نمک پسند ہے۔ اعلیٰ درجے کی چینی چائے پیتے ہیں جس میں دودھ ڈالنا گناہ کبیرہ سے کم نہیں سمجھتے۔

فیشنلسٹ اور کانگرسی مسلمانوں نے اپنے آباؤ اجداد کے وضع لباس کو چھوڑ کر

www.taemeernews.com

کھدر کی گاندھی ٹوپیاں اور دھوتیاں اور چادریں اوڑھنا اختیار کر لیا۔ لیکن مولانا کا لباس وہی رہا جو روزِ اوّل سے چلا آرہا ہے۔ پوست قراقلی کی اونچی دیوار والی ٹوپی، اچکن اور قمیص پاجامہ۔ علی برادران نے بھی کانگریسی وضع اختیار نہیں کی لیکن آخر میں لمبے چغے اور ڈھیلے اور سادہ و عقال سے عرب وضع میں ڈھلنے کی کوشش ضرور کی۔ مولانا ابوالکلام نے اپنی وضع کو اب تک قائم رکھا ہے۔ عربی تو خیر ان کی مادری زبان ہے۔ فارسی اور اردو میں ان کی مہارت مسلّم ہے۔ انگریزی بھی جانتے ہیں۔ چنانچہ ہم نے انہیں ہمیشہ انگریزی کی کتابیں اور انگریزی کے اخبارات کا مطالعہ کرتے دیکھا۔ لیکن انگریزی بولنے کی کبھی کوشش نہیں کی۔ کیونکہ انہوں نے انگریزی محض پرائیویٹ کوشش سے سیکھی ہے اور انہیں احساس ہے کہ انگریزی میں ان کا تلفظ صحیح نہ ہوگا۔ کیونکہ انہوں نے اس زبان کی تحصیل میں کسی استاد کے آگے زانوے تلمذ تہ نہیں کیا۔

لطائف کا ذوق

مولانا اپنے بے تکلف احباب میں بیٹھتے ہیں تو لطیفہ کہنے اور لطیفہ سننے کے لئے ہر دم تیار رہتے ہیں اور لطف یہ ہے کہ کسی حالت میں اور کسی موقع پر بھی ان کی زبان "پست و مبتذل" سے ہرگز آلودہ نہیں ہوتی اور لطافت کو جو ان کی پوری شخصیت اور ان کے مکمل کردار پر حاوی ہے ذرا بھی صدمہ نہیں پہنچتا۔ ایک دن یہی جیل الہ آباد کی اسیری کے حالات سنا رہے تھے۔ کہنے لگے میری کوٹھڑی کے عین سامنے ایک کوٹھڑی میں کوئی چینی قیدی رہتا تھا مانوس ہے

www.taemeernews.com

بیگانگی زبان کی وجہ سے ہم آپس میں بات چیت نہ کر سکتے تھے اور صرف ایک دوسرے کا منہ ہی تک کر رہ جاتے تھے۔ ع

زبان یار من چینی و من چینی نمی دانم

اِس چینی کو یہ معلوم نہ تھا کہ مَیں کس جرم میں ماخوذ ہوں۔ غالباً سوچتا رہتا ہوگا۔ آخر ایک دن اس سے نہ رہا گیا۔ مجھے مخاطب کر کے میرے سامنے ہاتھ لہرانے لگا۔ یعنی یہاں کیسے آئے؟ مَیں کیا جواب دیتا۔ جب خاموش رہا تو اس نے پوچھا۔ "او پیم"؟ یعنی افیم کے معاملے میں پکڑے گئے ہو؟ مَیں نے نفی میں سر ہلا دیا۔ تو اس نے اپنے ہاتھ کو اپنے گلے پر چھری کی طرح پھیرا۔ یعنی پوچھا۔ کسی کو قتل کیا ہے؟ مَیں نے پھر سر ہلایا۔ آخر اس نے پوچھا "گاندھی"؟ مَیں نے اثبات میں سر ہلایا تو وہ بالکل مطمئن ہو گیا۔ گویا گاندھی بھی ناجائز افیم اور قتل کی طرح جرائم میں شامل ہے۔

ایک علمی حقیقت

کوئی علمی بات بھی کریں گے تو اس کو اپنی خوش بیانی سے اتنا دلکش بنا دیں گے کہ عمر بھر بھلائی نہ جا سکے۔ پاکستان کے قیام سے پہلے ایک دن سید احمد شاہ بخاری کے ہاں کھانے پر آئے۔ مسلمانوں میں روحِ عمل کے فقدان پر بات ہو رہی تھی۔ فرمایا تصوف کی کتابیں اور اولیا کے تذکرے پڑھو۔ تو اس قسم کے واقعات اکثر نظر آئیں گے کہ ایک بزرگ محفلِ سماع میں بیٹھے تھے مطرب نے شعر پڑھا ؎

کشتگانِ خنجرِ تسلیم را ہر زماں از غیب جانے دیگر ست

www.taemeernews.com

حضرت نے سن کر نعرہ مارا اور بیہوش ہو گئے۔ حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ بازار میں جا رہے تھے۔ شام کا وقت تھا۔ ایک امرود فروش کی ٹوکری میں صرف ایک امرود باقی رہ گیا تھا اور وہ اس کو اٹھا کر صدا لگا رہا تھا۔ لَم یبقیٰ الا الواحد۔ لم یبقیٰ الا الواحد۔ حضرت بسطامی نے نعرہ مارا اور بیہوش ہو گئے۔ حضرت فلاں رحمۃ اللہ علیہ نے ایک رنڈی کو تائب ہونے کی تلقین کی۔ اس نے شعر پڑھا ؎

در کوئے نیکنامی مارا گزر ندادند
گر تو نمی پسندی تغییر کن قضارا

حضرت نے نعرہ مارا اور بیہوش ہو گئے۔

پھر مولانا نے فرمایا۔ ایک زمانہ تھا۔ کہ مسلمان نعرہ مارتا تھا تو دشمن بیہوش ہو جاتے تھے۔ پھر ایسا زمانہ آیا کہ مسلمان خود ہی نعرہ مارتا تھا۔ اور خود ہی بیہوش ہو جاتا تھا۔

پنجابی کے اشعار

چونکہ مولانا کو کچھ مدت پنجاب میں رہنے کا اتفاق ہوا ہے۔ اس لئے کبھی کبھی پنجابی کے لطیفے اور بعض مصرعے پڑھ پڑھ کر ہم نشینوں کو سناتے ہیں اور بڑی بڑی لغو چیزیں یاد ہیں۔ ایک دن بیان کر رہے تھے کہ جن دنوں میں "دکیل" میں تھا میرے والد محترم نے لکھا کہ پنجاب میں جنتریاں اچھی اچھی شائع ہوتی ہیں بازار سے جتنی جنتریاں مل سکیں وہ سب بھیجدو۔ میں نے ہال بازار میں گھوم پھر کر دھاری لال کی مشہور عالم جنتری۔ پنڈت دیبدیال جھار کی جنتری۔ ایک دو مسلمانوں کی چھاپی ہوئی

www.taemeernews.com

جنتریاں اکٹھی کیں۔ رات کو انہیں پڑھنے بیٹھا۔ تو ایک جنتری میں حکیم ڈاکٹر فیروز الدین ہال بازار امرت سر کی ظرافت کے متعلق اشتہار نظر آیا جس کے درمیان میں ایک پنجابی کی نظم بھی بطور سند حکمت و ظرافت درج تھی۔ شاعر کا نام مجھے یاد نہیں رہا اور نظم کا بھی صرف ایک ہی مصرع یاد رہ گیا" یہ کہہ کر مولانا نے اپنے اردو لہجے میں یہ مصرع پڑھ کر ہمیں بے حد ہنسایا۔ ع

تپ تلی دی بماری ہوئی سخت جو بھاری نپڈوں کیتی میں تیاری شہر انبر سر نوں

ہنستے ہنستے مجھ سے سوال کیا۔ سالک صاحب آپ تو پنجاب کے رہنے والے ہیں۔ آپ کو معلوم ہوگا یہ کس شاعر شیریں سخن کا کلام بلاغت نظام ہے۔

میں نے عرض کیا۔ مولانا آپ نے تو ایک خاصے شاعر کو مضحکہ کا نشانہ بنا لیا۔ یہ اشعار مولوی میاں جان مشہور پنجابی واعظ کے ہیں۔ مولوی صاحب شاعر تھے۔ اور ان کی خصوصیت یہ ہے کہ انہوں نے عمر بھر اسی "بحر طویل" میں اشعار لکھے کسی دوسری بحر کا تجربہ نہیں کیا۔ "تفسیر معوذتین" مولوی میاں جان نے منظوم لکھی ہے وہ بھی اسی بحر میں ہے۔ مولوی میاں جان نومسلم تھے۔ چنانچہ ان کا ایک مصرع اس کا شاہد ہے ع

سن میاں جان تیرا پیو بے ایمان تینوں رب دِتّا ایمان تیرا بخت منعم ہے

اس پر مولانا بے حد محظوظ ہوئے اور کہنے لگے۔ آپ مولوی صاحب کے متعلق علمی و تاریخی تحقیق کرتے رہیئے۔ ہمیں تو ان کے اس ارشاد کی بے ساختگی مزا دے گئی۔ کہ

سن میاں جان تیرا پیو بے ایمان

www.taemeernews.com

پھر میں نے کہا۔ مولانا میاں جان کی جس نظم کا ایک مصرع آپ نے پڑھا وہ نظم میں نے بھی اسی زمانے میں پڑھی تھی جب میری عمر کوئی تیرہ چودہ سال کی تھی۔ آپ کو اس کا صرف ایک مصرع یاد رہا۔ مجھے چار مصرعے یاد ہیں۔ کہنے لگے۔ اں ہاں ہم بھی وہ مصرعے سنیں گے۔ میں نے سنا دیئے ؎

تپ تلی دی بماری ہوئی سخت جو بھاری پنڈوں کتنی میں نیاری شہر انبر سرنوں
پھراں پچھا حکیماں دوا دسّو مسکیناں۔ میرے پاس نہ خزینہ دوا دسّدے نیئے رنوں
کسے آکھیا پکا پچھ ہال جا بازار۔ نامور ہشیار جو تجار دُر در نوں
سن میاں جان جو فیروزالدین نام کتنے ایسا انسان جو نشان پچھاں ہر نوں

مولانا بے حد محظوظ ہوئے اور بیچ بیچ میں کچھ چٹکلے بھی چھوڑتے رہے اس کے بعد فرمانے لگے۔ سالک صاحب ہم سمجھتے تھے ہمیں بہت سی بیہودہ چیزیں یاد ہیں لیکن معلوم ہوتا ہے آپ کو ہم سے زیادہ یاد ہیں۔

مولانا کے لطائف بے شمار ہیں۔ لیکن کہاں تک بیان کئے جائیں۔ ان کا وجود اس برصغیر میں غنیمت ہے کیونکہ ایسی جامع حیثیات ہستیاں کہیں صدیوں میں جاکر پیدا ہوتی ہیں۔

❊

www.taemeernews.com

مولوی سیّد ممتاز علی

شمس العلماء مولوی سید ممتاز علی ادب و انشا میں میری تربیت کے واحد ذمہ دار ہیں۔ ان کی خدمت میں نیاز حاصل ہونے سے قبل میں نے بعض مضامین بھی لکھے تھے اور پٹھانکوٹ سے ایک ادبی رسالہ "فانوس خیال" بھی جاری کیا تھا۔ لیکن میرے باقاعدہ شغل تحریر نے مولوی صاحب ہی کے آغوش عاطفت میں پرورش پائی۔ مولوی صاحب عربی فارسی اور اردو میں پوری دسترس رکھنے کے علاوہ انگریزی بھی خوب جانتے تھے اور طبیعت میں تحقیق، تنقید اور تجسس کا مادہ بہت زیادہ تھا۔

حضرت امام رضاؑ کے اولاد و احفاد میں سے ایک خاندان غالباً عہد عالمگیری میں

www.taemeernews.com

بخارا سے ہندوستان میں وارد ہوا۔ اور جگادھری ضلع انبالہ کے قریب آباد ہوگیا۔ دو تین نسلیں وہیں مقیم رہیں، آخر ایک بزرگ میر ہاشم علی دیوبند میں جا کر آباد ہو گئے ان کے بھانجے میر نثار علی نواب بہادر گڑھ کے مدار المہام مقرر ہوئے میر نثار علی کے صاحبزادے سید ذوالفقار علی ادب فارسی میں مولوی امام بخش صہبائی کے شاگرد تھے۔ اور عربی دہلی کے سینٹ سٹیفن کالج سے پڑھی تھی۔ شملہ میں ڈپٹی انسپکٹر مدارس۔ ضلع گجرات میں سررشتہ دار اور راولپنڈی میں تحصیلدار رہنے کے بعد اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر مقرر ہو گئے اور پنجاب کے متعدد اضلاع میں مقیم رہے سید ممتاز علی ۱۸۶۲ء میں انہی سید ذوالفقار علی کے ہاں پیدا ہوئے۔ مقام ولادت راولپنڈی ہے۔ اردو عربی کی تعلیم دیوبند میں گھر ہی پر حاصل کی۔ فیروز پور، سرسہ اور لاہور میں انگریزی تعلیم سے بہرہ اندوز ہوئے اور پنجاب چیف کورٹ میں مترجم کی حیثیت سے نوکر ہو گئے۔

تصنیف و تالیف اور مطالعہ کا شوق بے حد تھا۔ اس لئے سرکاری ملازمت چھوڑ کر رفاہ عام پریس کے نام سے ایک چھاپہ خانہ قائم کر دیا۔ نوجوانی کے زمانے میں اسلام کے متعلق شبہات پیدا ہوئے جو انہوں نے سرسید کو لکھ بھیجے سرسید نے ان کو اپنے پاس بلایا اور چند روز کی گفتگو میں وہ تمام شبہات دور کر دیئے

توازن و اعتدال

مولوی صاحب علم دین سے بھی بہرہ ور تھے اور دیوبندان کا وطن ہی نہ تھا بلکہ اکابر دیوبند سے فیض یاب بھی تھے۔ شیخ الہند مولانا محمود الحسن سے تعلقات

www.taemeernews.com

مخلصانہ رکھتے تھے اور اس کے ساتھ ہی سر سید، محسن الملک وقار الملک حالی شبلی، نذیر احمد سے بھی بے تکلفانہ رسم و راہ تھی۔ مولانا محمد حسین آزاد کو ادب و انشا میں اپنا استاد مانتے تھے۔ ان تمام گوناگوں اثرات کی وجہ سے ان کے ذہن میں بے نظیر توازن و اعتدال پیدا ہو گیا تھا۔ چنانچہ جس وقت انہوں نے مسلمان عورتوں کی تعلیم و تہذیب کا بیڑا اٹھایا تو ان کی مساعی میں اس بے اعتدالی کا کہیں نام و نشان بھی نہ تھا جو عام طور پر زمانہ حاضر کے حامیان نسواں کے اقوال و اعمال میں پیدا ہو جایا کرتی ہے بلکہ وہ مسلمان عورت کو سب سے پہلے مسلمان دیکھنا چاہتے تھے اور اساسی اعتبار سے اس کا دائرہ عمل اندرون خانہ کی سرگرمیوں یعنی خانہ داری، تربیت اولاد اور تہذیب اطوار ہی تک محدود سمجھتے تھے۔

حرّیت نسواں

مئی ستمبر ۱۹۱۵ء میں مولوی صاحب کے دو ہفتہ وار اخباروں یعنی تہذیب نسواں اور پھول کا ایڈیٹر مقرر ہوا۔ اور اسی دن سے میری مطمئن ادبی زندگی کا آغاز ہوا۔ مولوی صاحب کے صاحبزادے سید حمید علی اور سید امتیاز علی مجھ سے بھائیوں کا سا برتاؤ کرتے تھے اور مولوی صاحب بھی بے انتہا شفقت فرماتے تھے۔ وہ میری نظم و نثر اور زبان و بیان میں میری اصلاحی صلاحیت کو دیکھ چکے تھے۔ اس لئے میری تربیت پر خاص توجہ صرف کرتے تھے۔

مسائل نسواں میں مولوی صاحب کی احتیاط کا یہ عالم تھا کہ وہ بیواؤں کے

www.taemeernews.com

نکاح ثانی اور پردے کے متعلق رضامندی کو شرط قرار دیتے تھے۔ اگر بیوہ رضامند ہو تو اس کا نکاح ثانی کیا جائے ورنہ نہیں۔ اگر کوئی عورت پردہ نہ اٹھانا چاہے تو وہ مختار ہے اور اگر ترک کرنا چاہے، جب بھی اسے روکنا درست نہیں۔ ایک دفعہ میں نے کسی مضمون میں "آزادی نسواں" کی ترکیب لکھ دی تو کہا "میاں سالک۔ آزادی نسواں کی جگہ حریت نسواں لکھا کرو۔" حریت" ایک دینی اصطلاح ہے جس کا مقصود ہے بعض بنیادی حقوق۔ جو دین نے عورت کو دیئے ہیں۔ آزادی کا لفظ غلط فہمی پیدا کرتا ہے۔

سرسید اور حقوق نسواں

مولوی صاحب نے لڑکیوں کے لئے "تہذیب نسواں" جاری کیا اور اپنی بعض عزیزات سے اس میں مضامین لکھوائے تو اس "تاریکی اور جہالت کے زمانے" میں ہر طرف شور مچ گیا اور مولوی صاحب کے نام گالیوں سے بھرے ہوئے خطوط آنے لگے۔ اس وقت بڑے بڑے مدعیان روشن خیالی بھی عورتوں میں تعلیم و تہذیب پھیلانے کی تحریک کو شبہ کی نظر سے دیکھتے تھے تا بہ عوام کالانعام چہ رسد۔ یہاں تک کہ جب مولوی صاحب نے اپنی مشہور کتاب "حقوق نسواں" لکھی تو اس کا مسودہ لے کر سرسید کی خدمت میں حاضر ہوئے تاکہ ذرا ان کو بھی دکھا لیں۔ سرسید اس مسودے کو جستہ جستہ مقامات سے دیکھنے لگے۔ لیکن مولوی صاحب نے دیکھا کہ غصے سے سرسید کے چہرے کا رنگ متغیر ہوتا جاتا ہے۔ آخر سرسید نے اس مسودے کو چاک کر کے ردی کی

www.taemeernews.com

ٹوکری میں ڈال دیا۔ اور کہا، ممتاز علی، ہماری حکومت چھن گئی۔ ہماری تہذیب مٹ گئی۔ اب کیا ہماری عورتیں بھی ہمارے قبضے سے نکل جائیں گی؟ مولوی صاحب نے بہتیرا کہا کہ میں نے اس کتاب کی تحریر میں شریعت مقدسہ کے حدود سے ذرا بھی تجاوز نہیں کیا۔ لیکن سرسید کا مزاج روبہ راہ نہ ہوا اور مولوی صاحب ناچار اپنے مسودے کے ٹکڑے ردی کی ٹوکری میں سے اٹھا کر چلے آئے۔ آج اس کتاب کو پڑھئے تو تعجب ہوتا ہے کہ اس میں وہ کونسی بات تھی جس نے سرسید جیسے روشن خیال اور تجدد پسند شخص کو بھی چراغ پا کر دیا۔

حقیقت میں ان دونوں بزرگوں کے نقطہ نگاہ میں فرق تھا۔ سرسید کا خیال تھا کہ پہلے مسلمان لڑکوں کو جدید تعلیم سے بہرہ ور کیا جائے۔ اس کے بعد وہ جس حد تک مناسب سمجھیں گے۔ اپنی عورتوں کو بھی پڑھا لکھا لیں گے لیکن مولوی ممتاز علی کہتے تھے کہ ماں چونکہ بچے کی تعلیم و تربیت کا سرچشمہ ہوتی ہے۔ اس لئے لڑکیوں کو بہترین تعلیم دینی چاہیئے تاکہ آئندہ نسل ان کی گود میں پل کر تعلیم و تہذیب سے بہرہ اندوز ہو سکے

اکبر الہ آبادی

اس موقع پر اکبر الہ آبادی کا ایک لطیفہ یاد آگیا جو اپنے دور میں جدید تعلیم اور مغربی تہذیب کے خلاف نکتہ چینی میں بے حد سرگرم رہتے تھے۔ آپ نے دو شعر لکھے جن میں روئے سخن سرسید اور سید ممتاز علی کی طرف تھا ؎

اک پیر نے تعلیم سے لڑکے کو ابھارا　　اک پیر نے تہذیب سے لڑکی کو سنوارا
پتلون میں یہ اکڑا تو وہ سانٹے میں پھیلی　　پاجامہ غرض یہ ہے کہ دونوں نے تارا

www.taemeernews.com

اس پر مولوی صاحب نے اکبر الہ آبادی سے شکایت کی تو انہوں نے خط میں لکھا۔ کہ

> میں ترقی و تہذیب نسواں کا ہرگز مخالف نہیں ہوں۔ جن نظموں کا حوالہ دیا گیا ہے۔ وہ پرانی نظمیں ہیں جن میں پبلک کے خیالات موزوں کر دیئے گئے ہیں۔ میں کیا اور میرے اشعار کیا۔ شعراء قافیہ پیمائی کیا ہی کرتے ہیں۔ دنیا کے قوانین شعر سے نہیں چلتے۔ زمانے کا رنگ زمانے کی ضرورتیں فیصلہ کرتی ہیں اور اس وقت بھی کر ہی ہیں۔

یہ معذرت بھی آپ نے ملاحظہ فرمائی جس کے ایک ایک لفظ میں طنز کے نشتر چھپے ہوئے ہیں۔

تعلیمی و اصلاحی ادب

مولوی صاحب نے حمایت نسواں کے جرم میں ابتداً لوگوں کی گالیاں کھائیں لعنت ملامت اٹھائی لیکن اپنی پوری زندگی اس مظلوم طبقے کی حمایت میں بسر کر دی جسے اسلام نے پورے حقوق عطا کئے تھے۔ لیکن مسلمانان ہند نے غلامی و کس مپرسی کے گڑھے میں گرا رکھا تھا۔ مولوی صاحب نہایت روشن دماغ ماہر تعلیم بھی تھے چنانچہ سالہا سال تک مسلم یونیورسٹی کورٹ اور پنجاب یونیورسٹی سینٹ کے ممبر رہے اور ہمیشہ اپنے مفید مشوروں سے شعبۂ تعلیمات کی رہنمائی کرتے رہے۔

مولوی صاحب کی اہلیہ محترمہ محمدی بیگم پڑھی لکھی، شائستہ ذوق اور دردمند خاتون

www.taemeernews.com

تھیں۔ انہوں نے لڑکیوں اور عورتوں کے لئے متعدد پاکیزہ کتابیں شائع کیں جو گزشتہ پچاس سال سے قدردانی کے ساتھ پڑھی جارہی ہیں۔ مولوی صاحب کی نگرانی میں دارالاشاعت پنجاب نے عورتوں اور بچوں کے لئے معیاری لٹریچر شائع کیا ہے اور ان کتابوں کی تعداد سیکڑوں تک پہنچتی ہے۔

شگفتگی طبع

مولوی صاحب اپنے علم و فضل اور انہماک خدمت کے باوجود بے حد شگفتہ مزاج اور ظریف بزرگ تھے۔ اور مجھے اور امتیاز کو اکثر لطائف سنا کر ہنسایا کرتے تھے۔ ایک دن ارکان صلوٰۃ کے متعلق گفتگو ہو رہی تھی کہنے لگے۔ صلوٰۃ یعنی نماز تو ہر حال میں فرض ہے۔ باقی رہے ارکان۔ تو وہ بعض خاص ضرورتوں اور مجبوریوں کی حالت میں ساقط بھی ہو جاتے ہیں۔ مثلاً جو شخص کھڑا ہو کر نماز نہ پڑھ سکے وہ بیٹھ کر پڑھ لے۔ اور جو بیٹھ کر بھی نہ پڑھ سکے وہ لیٹ کر بلکہ بعض حالات میں اشاروں ہی سے پڑھ لے۔ پھر کہنے لگے ایک دفعہ میں ٹرین میں لاہور سے دیوبند جا رہا تھا۔ ایک ہم سفر کو دیکھا کہ اس نے نماز کے لئے اپنے پاس بیٹھنے والوں کو جگہ خالی کرنے کی تکلیف دیئے بغیر ٹرین کے بنچ ہی پر بیٹھے بیٹھے ہاتھ باندھ لئے اور اشارے سے رکوع و سجود کر کے نماز ادا کر لی۔ میں دیوبند پہنچا تو مولانا محمود الحسن سے اس واقعہ کا ذکر کیا۔ آپ نے فرمایا "مولوی صاحب اس شخص کی نماز نہیں ہوئی"۔ میں نے برجستہ کہا "حضرت ہمارے سامنے تو ہو گئی تھی"۔ اس پر مولانا محمود الحسن بے اختیار ہنس دیئے۔

www.taemeernews.com

ایک دفعہ کسی نے مولوی صاحب سے پوچھا کہ بعض بزرگوں کی نسبت کے باعث بعض شہروں کے نام "شریف" رکھ دیئے جاتے ہیں۔ مثلاً اجمیر شریف، پاکپتن شریف۔ آیا شریعت میں یہ جائز ہے؟ فرمانے لگے۔ اگر "مزاج شریف" جائز ہے تو اجمیر شریف میں کیا مضائقہ ہے۔

مجھے "تہذیب نسواں" اور "پھول" کا کام سنبھالے ہوئے ابھی چند ہی ماہ ہوئے تھے کہ مولوی صاحب کی صاحبزادی وحیدہ بیگم (مرحومہ) جو مولوی سر محمد یعقوب مراد آبادی کی اہلیہ تھیں، مراد آباد میں سخت بیمار ہوگئیں۔ مولوی صاحب کوئی سات مہینے مراد آباد میں رہے۔ ان کی غیر حاضری میں میں ان کی نگرانی و ہدایت کے بغیر انکے دونوں ہفتہ وار پرچوں کو مرتب کرتا رہا۔ واپس آکر مولوی صاحب نے صرف ایک دو جزوی باتوں کی طرف اشارہ کیا جن میں مجھ سے اس لئے لغزش ہوئی تھی کہ مولوی صاحب کی پالیسی ان معاملات میں بڑے رکھ رکھاؤ کی متقاضی تھی ورنہ مجموعی حیثیت سے انہوں نے میرے کام کو سراہا اور مجھ پر پورے اعتماد کا اظہار کیا۔

"ارتقا" پر مضامین

ایک دفعہ سید امتیاز علی تاج نے اپنے ادبی ذوق کی تکمیل کے لئے رسالہ "کہکشاں" جاری کیا جس میں ہم سب دوست احباب لکھا کرتے تھے۔ ایک دن میں نے مولوی صاحب سے گزارش کی کہ آپ "مسئلہ ارتقا" پر چند مضامین لکھ دیجئے جن کو پڑھ کر اردو دان طبقہ ڈارون کی تھیوری کو پوری طرح سمجھ لے چنانچہ مولوی

www.taemeernews.com

صاحب نے ارتقا اصل انواع اور جدید طبیعیات وغیرہ کے عنوانوں سے تین چار مضامین کہکشاں کے لئے لکھے۔

جو لوگ فکر جدید کی کتابوں کا ترجمہ کرتے ہیں یا آجکل کے علمی نظریات پر مضامین یا کتابیں لکھتے ہیں ان کو چاہیئے کہ مولوی صاحب کے ان مضامین کو غور سے پڑھیں جن میں مشکل سے مشکل مطالب کو ایسی سادہ زبان اور سلیس انداز بیان میں پیش کیا گیا ہے کہ محض اردو جاننے والے قارئین کو مسئلے کے سمجھنے میں کوئی الجھن نہیں ہوتی۔ مولوی صاحب ہمیشہ فرمایا کرتے تھے کہ جو بولو وہی لکھو۔ ان کا یہ بھی ارشاد تھا کہ "علم سمجھ لینے اور سمجھا دینے کا نام ہے" جو شخص خود نہیں سمجھتا وہ دوسرے کو کیا سمجھائے گا اور جو خود تو سمجھتا ہے لیکن دوسرے کو سمجھانے سے قاصر ہے، اس کا علم بھی کسی کام کا نہیں۔

مولوی صاحب کے بڑے صاحبزادے سید حمید علی لڑکپن ہی میں بیمار ہو گئے تھے ان کے کولھے کی ہڈی میں دق کا مادہ پیدا ہو گیا تھا بہت علاج کئے گئے۔ لیکن سات سال گزر گئے آخر اس مرض کا تو ازالہ ہو گیا لیکن ایک ٹانگ دوسری سے کسی قدر چھوٹی ہو گئی۔ حمید علی کی اس طویل علالت کے دوران میں مولوی صاحب اکثر ان کے بستر کے پاس بیٹھے ہوئے قرآن پڑھتے رہتے تھے۔ ان دنوں یہ خیال آیا کہ قرآن مجید میں مختلف مطالب کی آیات تلاش کرنے میں ہر شخص کو دقت ہوتی ہے۔ اس لئے قرآن کا ایک انڈکس تیار کرنا چاہیئے۔ یہ خیال آتے ہی مولوی صاحب نے مطالب آیات کی ایک جامع مانع فہرست تیار کی اور اسکے بعد قینچی لیکر آیات کو کتر کتر کر بڑے بڑے کاغذی تختوں پر چپکاتے گئے، کئی سال کی محنت کے بعد پورے قرآن کا انڈکس مکمل ہو گیا

www.taemeernews.com

مدت تک یہ کتاب مسودہ کی صورت میں رہی اور اکثر اکابر علم جو باہر سے لاہور آتے تھے۔ اس مسودے سے استفادہ کرتے تھے۔ مثلاً مولانا ابوالکلام، مرزا غلام احمد قادیانی۔ مولانا حکیم نورالدین جب کبھی ضرورت محسوس کرتے۔ مولوی صاحب کے پاس آکر اس فہرست مضامین سے فائدہ اٹھاتے۔

اب یہ بے نظیر کتاب "تفصیل البیان (مطالب آیات القرآن)" کے نام سے چھپ چکی ہے اور اس کی طباعت پر ہزاروں روپیہ خرچ ہوا ہے اگر آپ چاہیں کہ شرع۔ اخلاق۔ اصول دین۔ غرض کسی مسئلے کے متعلق قرآن مجید کی تمام آیات یکجا مل جائیں تو "تفصیل البیان" سے چند منٹ کے اندر یہ مقصد حاصل ہو سکتا ہے اور پھر لطف یہ ہے کہ شروع سے لے کر آخر تک تمام آیات کا بامحاورہ اردو ترجمہ بھی کر دیا گیا ہے۔

ایک دفعہ حضرت سید امین الحسینی مفتی اعظم فلسطین اور علوبہ پاشا لاہور آئے مولوی سید ممتاز علی نے ان کو چائے کی دعوت دی اور تفصیل البیان دکھائی۔ مفتی اعظم نے اس کتاب کی بے حد تعریف کی اور کہا کہ ایسی کتاب عرب دنیا میں بھی موجود نہیں نجوم الفرقان، فتح الرحمان وغیرہ موجود ہیں۔ جن کا فائدہ صرف اس قدر ہے کہ ایک لفظ بھی یاد ہو تو آیت کا اتا پتا مل جاتا ہے۔ لیکن مسائل کی فہرست اور پھر ہر مسئلے کے متعلق تمام آیات کی یکجائی۔ یہ خوبی عربی زبان کی کسی کتاب میں موجود نہیں۔ اس کتاب کو عربی میں بھی چھپنا چاہیئے۔

اگر مولوی سید ممتاز علی اپنی پوری زندگی "تہذیب نسواں" میں صرف نہ کر دیتے تو ان کی قوت تحریر بیسیوں کتابیں تصنیف کر ڈالتی۔ لیکن اس مصروفیت کے ——

www.taemeernews.com

باوجود انہوں نے زاد المعاد۔ المنقذ من الضلال۔ شیخ حسن کے ترجمے کئے۔ تذکرۃ الانبیا لکھی۔ اور متعدد چھوٹی چھوٹی کتابیں تالیف کیں لیکن تفصیل البیان ان کا وہ عظیم کارنامہ ہے جس سے ان کا نام رہتی دنیا تک روشن رہے گا۔

مولوی صاحب نہایت نیک دل۔ متین، بلند اخلاق، اور دردمند بزرگ تھے ان کی ساری زندگی تعمیری و اصلاحی ادب کے فروغ اور مسلمانوں کی اصلاح معاشرت میں صرف ہوئی۔ ان کی خدمات سرسید کے حلقۂ رجال کے کسی بزرگ کے کارناموں سے کم نہیں رہیں۔

www.taemeernews.com

www.taemeernews.com

مولانا ظفر علی خان

ہمارے ملک میں جنگجویانہ صحافت وخطابت کے میدان کا یکہ تاز۔ اردو نظم ونثر یکساں بے تکلفی اور خاص طرز واسلوب سے لکھنے والا۔ بے شمار تحریکوں کا روح رواں۔ عوام کے قلوب میں حریت وطن اور حمیت اسلامی کی روح پھونکنے والا۔ سالہاسال کی قید کو ہنسی خوشی جھیلنے والا۔ اور اردو اخبار نویسی کو قعر مذلت سے اٹھاکر سربلند کرنے والا۔ کون؟ ظفر علی خان جس کے نام اور کام سے پورا ہندوستان نصف صدی تک معمور رہا۔ اور جو آج ضعف پیری اور مسلسل علالت کے باعث زبان وقلم سے رشتہ توڑکر بالش وبستر سے رابطہ استوار کرچکا ہے۔

www.taemeernews.com

زمیندار کا آغاز

مولوی سراج الدین احمد مرحوم کے انتقال کے بعد مولانا ظفر علی خاں نے حیدرآباد دکن کی ملازمت ترک کردی۔ "دکن ریویو" کو بند کر دیا۔ اور پنجاب چلے آئے تاکہ زیادہ وسیع میدانوں میں گستہ مہار ہوکر مسلمانوں کی خدمت کریں۔ "زمیندار" پنجاب کے زراعتی طبقے کا ترجمان تھا۔ لیکن مولانا ظفر علی خاں اس کو پوری ملت کی زبان بنانا چاہتے تھے۔ چنانچہ اس ہفتہ وار اخبار کو کرم آباد سے لاہور لے آئے اور اس کو روزنامہ کی صورت دے کر ادب و انشا کے محاسن کا گلدستہ بنا دیا۔ یہ اخبار بینوں کے لئے ایک نادر نعمت تھی۔ وہ پیسہ اخبار اور وطن کی سادہ متین اور "ٹھنڈی صحافت" پر اکتفا کر رہے تھے۔ "زمیندار" نے ان کے سامنے رنگا رنگ نعمتوں کا ایک خوان چن دیا۔ اور اپنی پرزور خطابت سے اخبار کو تقویت دی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ دنیا ٹوٹ پڑی اور ہر طرف زمیندار اور اس کے مدیر کے کمالات کا غلغلہ بلند ہو گیا۔ طرابلس و بلقان کی لڑائیوں نے اس آگ پر جو ظفر علی خاں کے دل میں روشن تھی تیل کا کام دیا۔ اور تحریک اتحاد اسلامی کے ایک کارکن کی حیثیت سے انہوں نے سب سے پہلے ہندوستان میں انگریزی حکومت کے اقتدار کو چیلنج دے کر مسلمانوں کے دلوں میں حیات اسلامی کی زبردست لہر دوڑا دی۔ ۱۹۱۴ء میں جنگ عظیم شروع ہو گئی اور اس لہر نے ایک "ملزم ناپیدا کنار" کی شکل اختیار کر لی۔

www.taemeernews.com

مشروط آزادی

مولانا ظفر علی خان نظر بند کر دیئے گئے۔ اس نظر بندی کے دوران میں ان کو دیوانے کتے نے کاٹا۔ وہ بغرض علاج حکومت کی اجازت سے کسولی گئے اور شملہ پہنچکر اپنے لئے مشروط آزادی کا پروانہ لے آئے۔ زمیندار تو سر مائیکل اوڈوائر کی مہربانی سے بند ہو چکا تھا۔ لیکن رام گلی میں اس کا دفتر موجود تھا۔ مجھے یاد ہے۔ مولانا شملہ سے واپس کرم آباد جاتے ہوئے ایک آدھ دن کے لئے اسی دفتر میں قیام فرما ہوئے رات کا وقت تھا۔ دفتر کی چھت پر مولانا کے چند عقیدت مند اور دوست جمع تھے ڈاکٹر اقبال بھی ملنے کے لئے آ گئے تھے۔ شعر خوانی اور لطیفہ بازی کا ہنگامہ گرم تھا یہیں ڈاکٹر صاحب نے "اسرار خودی" کے وہ چند اشعار ترنم سے سنائے جو اورنگ زیب عالمگیر کی شان میں لکھے گئے تھے۔ ؎

شاہ عالمگیر گردوں آستاں
اعتبار دود مانِ گورگاں
درمیانِ کارزارِ کفر و دیں
ترکش ما را خدنگِ آخریں

کرم آباد پہنچے۔ وہاں سے "ستارۂ صبح" ہفتہ وار نکالا۔ پھر حکومت سے اجازت لے کر اس کو لاہور لے آئے اور روزانہ کر دیا۔ مولانا ظفر علی خان کی جنگجویانہ صحافت کا تقاضا یہ تھا۔ کہ کسی سے لڑائی چھیڑی جائے۔ حکومت سے لڑنا خارج از بحث تھا۔ ہندوؤں سے دو دو ہاتھ کرنے کی بھی اجازت نہ تھی کیونکہ

www.taemeernews.com

مولانا کو آزادی ہی اسی شرط پر ملی تھی کہ سیاسیات میں قطعاً کوئی دخل نہ دیں ۔ چنانچہ انہوں نے آجکل کے صوفیوں کے خلاف جنگ و پیکار کی طرح ڈال دی۔ اس زمانے میں خواجہ حسن نظامی، پیر جماعت علی شاہ اور دوسرے سجادہ نشینوں کے خلاف نظم و نثر کے وہ شاہپارے صادر ہوئے کہ مزا آگیا لیکن حکومت پنجاب نے اس منازعت کی شدت پر اعتراض کیا اور سر مائیکل اوڈوائر نے کوشش کر کے مولانا اور اختر علی خاں دونوں کو حیدرآباد دکن بھجوا دیا تاکہ وہاں دارالترجمہ میں کام کریں۔ پھر وہاں سے مولانا اسی وقت واپس آئے جب جنگ ختم ہو گئی اور تمام پابندیاں اٹھا لی گئیں۔

سالک اور ظفر علی خان

دوران جنگ میں شروط آزادی حاصل کرنے کی وجہ سے بعض حلقے مولانا سے بدظن ہو گئے تھے۔ اس لئے مولانا کے نیاز مندوں کو ان کا موقف واضح کرنے میں خاصی محنت کرنی پڑی۔ مولانا ایک دفعہ اور عوامی جلسوں میں تقریر کرنے کے قابل ہوئے اور کچھ مدت کے بعد "زمیندار" دوبارہ جاری کر دیا گیا۔ اس موقع پر مجھے یاد فرمایا گیا چنانچہ میں زمیندار کا ایڈیٹر مقرر ہوا۔ اور مولانا سے رابطہ زیادہ قریبی اور استوار ہو گیا ۔ ایک دن میں نے مولانا سے کہا کہ آج سے سات سال پہلے جب آپ انگلستان سے واپس آئے تھے اور آپ کا عظیم الشان جلوس نکالا گیا تھا۔ میں نے خدا سے دعا مانگی تھی کہ یا اللہ۔ کوئی ایسا وقت آئے کہ میں اس شخص کے ساتھ ایک ہی میز پر بیٹھ کر کام کروں۔ وہ دعا آج قبول ہوئی۔ مولانا ہنس دیئے اور کہنے لگے۔ لاحول ولاقوۃ ۔ سالک صاحب آپ نے قبول دعا کا ایک قیمتی لمحہ کس بے معنی خواہش کے

www.taemeernews.com

سے لئے ضائع کر دیا۔ اگر آپ انہی دنوں میرے پاس آجاتے تو میں آپ کو سات سال پہلے اپنی میز پر بٹھا کر اخبارات مرتب کرانا شروع کر دیتا۔

لڑاکا صحافی

عرض کر چکا ہوں کہ مولانا ظفر علی خان صحافت میں جنگجوئی اور رزم آرائی کے قائل تھے۔ کبھی حکومت کے خلاف مصروف جنگ ہیں۔ اخبار کی ضمانتیں ضبط ہو رہی ہیں مقدمے چلائے جا رہے ہیں اور مولانا قید ہو رہے ہیں۔ کبھی ہندوؤں کے خلاف ہنگامہ برپا ہے اور شدھی اور سنگھٹن کے خلاف" دے رگڑے پہ رگڑا ادھر رگڑا" کی قسم کی نظمیں لکھی جا رہی ہیں اور سارا ہندو پریس عاجز آکر چیخ رہا ہے۔ کبھی عموفیوں کی شامت آرہی ہے۔ کبھی ابن سعود کی حمایت اور بدعتیوں کی مخالفت میں زمین آسمان ایک کئے جا رہے ہیں۔ مولانا پر کفر کے فتوے لگائے جا رہے ہیں۔ پھر کبھی کانگرس کی حمایت میں مسلمانوں کی تحریک حقوق کی مخالفت کی جا رہی ہے اور اس جوش میں ڈاکٹر اقبال بھی مولانا کے حملوں سے محفوظ نہیں رہتے۔ کبھی کانگرسی علماء کی دھجیاں اڑ رہی ہیں اور کبھی انہی کے حق میں مضمون پہ مضمون لکھا جا رہا ہے۔ اگر ان محاذوں سے کبھی فراغت ہوتی ہے تو قادیانیوں کے خلاف وہ شور و غوغا برپا کیا جاتا ہے کہ کان پڑی آواز سنائی نہیں دیتی۔ احراریوں سے خوش ہیں تو ان کی شان میں قصیدے سے چھپ رہے ہیں۔ ناراض ہیں تو ان ہی احرار لیڈروں پر نظم و نثر میں نہایت چبھتی ہوئی پھبتیوں کا جھاڑ باندھا جا رہا ہے۔

www.taemeernews.com

افتتاحیہ نگاری

سالک و مہر کی ادارت زمیندار کے زمانے میں مولانا ظفر علی خاں کو خود مضمون نگاری کا اتفاق کم ہوتا تھا۔ کبھی کبھی دل میں ولولہ اٹھتا اور فرماتے۔ آج افتتاحیہ میں لکھوں گا۔ چنانچہ میز پر چند کتابیں رکھ کر تنہا بیٹھ جاتے۔ دروازے پر آدمی بٹھا دیا جاتا کہ کسی کو اندر نہ آنے دے۔ حقہ بھروا لیا جاتا اور مولانا نہایت تکلف سے اپنے بدیع الشال طرز تحریر میں لکھنا شروع کر دیتے۔ فارسی ترکیبوں اور تشبیہوں اور استعاروں سے بھرپور چند سطریں لکھیں۔ اس کے بعد ہم دفتر میں پہنچ گئے۔ مجھے طلب فرمایا۔ "سالک صاحب میں نے صرف ایک نوٹ لکھنا شروع کیا تھا۔ لیکن یہ تو لیڈر ہوا جا رہا ہے۔ اب لیجئے اب آپ ہی اسے پورا کر دیجئے" یہ کہہ کر حقے کی نے منہ میں لیکر الگ بیٹھ جاتے اور میں مولانا کی مکمل کی ہوئی دو سلپوں کے آگے لکھنا شروع کر دیتا۔ پانچ چھ سلپیں لکھنے کے بعد اسے کاتب کے حوالے کرتا اور خود مولانا کے پاس آ بیٹھتا جو مہر صاحب سے کسی سیاسی مسئلے پر الجھ رہے ہوتے۔

اردو نظم پر غیر معمولی قدرت

اس کے بعد ہم فرمائش کرتے کہ مولانا فلاں مسئلے پر ایک نظم ہو جائے مولانا کی عادت تھی حقہ پیتے جاتے اور اپنے دائیں ہاتھ کے انگوٹھے کی نوک کو درمیانی انگلی کی نوک پر ملتے جاتے۔ یہ گویا ان کا فکر شعر کا طریقہ تھا۔ پھر جو شعر نازل ہونے لگتے۔ تو دیکھتے ہی دیکھتے نظم ہو جاتی۔ جو زمیندار کے صفحہ اول کی زینت ہوتی۔ مولانا ظفر علی خاں پنجاب میں صحیح اور بامحاورہ اردو لکھنے کے اعتبار سے بالکل بے مثال تھے

www.taemeernews.com

ایک تو ان کا اردو سے طبعی لگاؤ۔ دوسرے علی گڑھ اور حیدرآباد دکن میں سالہا سال رہنے کا اتفاق۔ ان دونوں چیزوں نے ان کو اہل زبان کے نزدیک بھی قابل رشک بنا دیا۔

جذبات و تصورات

مولانا ظفر علی خاں خالص جذباتی اور تصوراتی بزرگ تھے۔ ہر قومی و اسلامی مسئلہ کو جذباتی نقطۂ نگاہ سے دیکھتے اور پھر اپنے جذبات کے اظہار میں اس قدر غیر محتاط ہو جاتے کہ انگریز کے قانون کو حرکت میں آنا پڑتا اور مولانا اپنے علاوہ چند کارکنوں اور رضاکاروں کو بھی ساتھ لے کر داخل زنداں ہوتے۔ دلیر اور جسور آدمی تھے۔ بارہا ایسا ہوا کہ پولیس کی خاصی جمعیت موجود ہونے کی حالت میں بھی اعلائے کلمۃ الحق میں تامل نہیں کیا۔ تصورات کا یہ حال تھا کہ ایک بہت بڑی سکیم سوچ لیتے، اور پھر اس کی تکمیل کے لئے خطابت و صحافت کی قوتوں کو جمع کر کے مصروف ہو جاتے حالانکہ غور و فکر کرنے والوں کے نزدیک وہ سکیم قطعی طور پر قابل عمل نہ ہوتی۔ مثلاً ایک دفعہ اسلامی بازار کی تحریک شروع کی۔ اور فرمایا کہ انگلستان کے بڑے بڑے سٹوروں کے اصول پر ایک بہت بڑا اسلامی مرکز تجارت قائم کیا جائے۔ جس میں سوئی سے لے کر موٹر کار تک ہر چیز مل سکے۔ اس مرکز تجارت کا سرمایہ دس کروڑ ہو جو مسلمانوں سے فراہم کیا جائے اور ملک کے ہر گوشے میں اس مرکز کے ماتحت سٹور قائم کئے جائیں تاکہ مسلمان کوئی چیز ہندو سے نہ خریدیں۔ تھوڑی دیر تک "زمیندار" میں اس اسکیم کے حق میں بڑے گرجتے برستے مضمون درج ہوتے رہے۔ آخر مولانا کو کسی زیادہ دلفریب مشغلے نے گھیر لیا اور اسلامی بازار کی عظیم الشان سکیم

www.taemeernews.com

گرد و غبار بن کر اڑ گئی۔

ایک اور سکیم

ایک دن میں اور مہر صاحب حاضر ہوئے۔ تو فرمایا۔ آیئے۔ دیکھئے ہم نے ایک سکیم تیار کی ہے کہ مسلمانوں سے ایک بہت بڑا سرمایہ فراہم کیا جائے۔ ہندوستان میں آٹھ کروڑ مسلمان رہتے ہیں اگر دو آنے فی کس بھی دیں تو ایک کروڑ روپیہ فراہم ہوتا ہے۔ اس میں سے کچھ روپیہ "زمیندار" کے بہت بڑے مطبع اور دفتر کی تعمیر پر صرف کیا جائے۔ آپ دونوں کے لئے بھی دو کوٹھیاں اسی احاطہ "زمیندار" میں تعمیر کی جائیں۔ ایک ہزار روپیہ ماہوار تنخواہ دے کر علامہ اقبال کو تبلیغ اسلام کے لئے چین بھیجا جائے۔ اور خدا جانے اور کیا کچھ تجویز فرما دیا۔ ہم اس سکیم کی تفصیلات چپ چاپ سنتے رہے۔ آخر میں نے گزارش کی کہ ایک کروڑ روپیہ فراہم کرنے کے لئے محصلین کا جو نظام قائم کیا جائے گا اس پر بھی تو خاصا روپیہ صرف ہو جائے گا۔ آخر وہ کہاں سے مہیا کیا جائے گا۔

فرمانے لگے۔ جی ہاں۔ مشکل تو یہی ہے کہ روپیہ ہی نہیں۔ ارے یاسین! ذرا حقہ بھر دو۔ حقہ آگیا۔ مولانا نے سکیم کو اس کے دھوئیں میں اڑا دیا اور دوسری باتیں کرنے لگے۔

سیر و ورزش

مولانا کی ایک خصوصیت یہ تھی کہ روزانہ سیر اور ورزش باقاعدہ کیا کرتے تھے

www.taemeernews.com

جب تک لاہور میں تھے ہر صبح منہ اندھیرے اٹھتے اور دفتر زمیندار سے چل کر نہر پر پہنچ جاتے۔ یعنی ہر روز چھ سات میل کا چکر کاٹتے۔ مولوی محبوب عالم (پیسہ اخبار) مولوی سید ممتاز علی، سر گنگارام، رلئے بہادر کنج بہاری متھاپر، اور اسی قسم کے چند اور بزرگ سیر میں مولانا کے رفیق ہوتے۔ اور دنیا بھر کے مسائل پر بحث ہوتی۔ ایک دن صبح ہی صبح کوئی ساڑھے تین بجے مولانا صرف کرتہ پاجامہ پہنے ننگے سر گھر سے برآمد ہوئے اور سیر کو نکل گئے۔ رستے میں ایک کنسٹیبل نے دور سے بھانپا کہ یہ شخص کوئی "واردات" کر کے آیا ہے اور اب نہایت تیز قدم گھر کو چلا جا رہا ہے۔ اس نے مولانا کا تعاقب کیا۔ مولانا سمجھ گئے اور ازراہ شوخی دوڑنا شروع کیا۔ کانسٹیبل بھی ڈبل مارچ کرتا ہوا پیچھے پیچھے روانہ ہوا۔ کوئی میل بھر کی دوڑ کے بعد اس نے مولانا کو آلیا جب آگے بڑھ کر غور سے دیکھا تو پہچان کر سلام کیا اور کہا، مولوی صاحب۔ خدا کے لئے اس وقت ٹوپی اور کوٹ پہن کر نکلا کیجیے۔ خواہ مخواہ ہم لوگوں کو وہم میں نہ ڈالا کیجیے۔ مولانا نے سیر سے واپس آکر یہ قصہ ہم کو سنایا جس پر جی کھول کر قہقہے لگائے گئے۔

پابندی وضع

پابندیِ وضع مولانا کی وہ خوبی تھی جو اُس زمانے کے بزرگوں کا طغرائے امتیاز ہوتی تھی۔ حیدرآباد دکن سے پنجاب آئے تو سر پر ترکی ٹوپی۔ بر میں قمیص، آڑا پاجامہ اور حیدرآبادی شیروانی پہنتے۔ رنگ گندمی، اور چھوٹی چھوٹی ترشی ہوئی سیاہ ڈاڑھی۔ حرکات و سکنات میں سرعت اور اچپلاہٹ، یہ چیزیں بڑھاپے

www.taemeernews.com

تک بدستور قائم رہیں۔ جذباتیت اور تصور پرستی میں بھی ذرہ بھر فرق نہ آیا۔ محمد علی، شوکت علی۔ ابوالکلام۔ حکیم اجمل خاں۔ ڈاکٹر انصاری سے برادرانہ تعلقات تھے لیکن کبھی کبھی تفاوت طبائع اور حریفانہ مسابقت کی وجہ سے کسی برابر کے لیڈر سے مکدر بھی پیدا ہو جاتا لیکن یہ کیفیت بالکل عارضی ہوتی۔ کیونکہ تحریکات کی تندی و پُرشوری اس کو بہالے جاتی۔ اور یہ سب لوگ ایک ہی راہ کے مسافر ہونے کے باعث پھر آپس میں گھل مل جاتے۔

منٹگمری جیل اور کرم آباد

زمیندار کے عملے کی ہڑتال اور انقلاب کے اجرا کے وقت ہم لوگوں سے بھی خاصا بُعد پیدا ہو گیا تھا لیکن کچھ ہماری نیازمندی اور کچھ مولانا کی بزرگانہ شفقت اور وضعداری نے اس بُعد کو بہت جلد دوبارہ قرب میں بدل دیا۔ اور سالک و مہر پھر بدستور مولانا کی خدمت میں حاضر ہو کر ان کی ادبی چھیڑوں سے لطف اندوز ہونے لگے۔ جب مولانا تحریک ترک موالات میں سزایاب ہو کر منٹگمری جیل میں مقیم تھے اور پھر جب مسجد شہید گنج کے سلسلے میں اپنے گاؤں کرم آباد میں نظربند کر دیئے گئے تھے۔ ہم لوگ قریب قریب ہر اتوار کو مولانا سے ملاقات کرنے کے لئے جاتے۔ اور چند گھنٹے بڑے ہی لطف سے وقت کٹتا۔ کرم آباد میں دسترخوان بچھتا۔ تو مولانا بڑی محبت سے خاطر تواضع کرتے اور کہتے کہ اس دسترخوان پر کھانڈ اور نمک کے سوا ہر شے کرم آباد کی پیداوار ہے (یعنی گوشت۔ سبزی ترکاری گھی، مرچ۔ دھنیا۔ لہسن۔ پیاز۔ ہلدی۔ چاول۔ انڈے۔ یہ سب شیلائے خوردنی

www.taemeernews.com

کرم آباد ہی میں پیدا ہوتی ہیں)

خدا جانے کیا قصہ ہوا کہ آج سے چند سال پہلے مولانا کی صحت یک لخت گر گئی حالانکہ انہوں نے نیکی اور پارسائی کی زندگی بسر کی۔ کھانے پینے میں پوری احتیاط کرتے رہے۔ سیر و ورزش کا ناغہ کبھی نہ کیا۔ یقین تھا کہ وہ آخر عمر تک چاق و چست اور تندرست رہیں گے۔ لیکن خدا کی مرضی۔ ایسے فریش بستر علالت ہوئے کہ تمام سرگرمیاں ختم ہو گئیں

تراسیویں سالگرہ

پچھلے سال جب میں مولانا کی تراسیویں سالگرہ کے جلسے کی صدارت کے لئے کرم آباد گیا تو مولانا کو خاموش اور بے حس و حرکت دیکھ کر مجھے بیحد صدمہ ہوا۔ وہ بہت ہی کم کسی کو پہچانتے تھے۔ لیکن جب میں سامنے آیا اور اختر علی خان نے ان سے پوچھا "ابا۔ آپ نے ان کو پہچانا؟" نہایت دھیمی آواز میں فرمایا "ان کو نہ پہچانوں گا تو اور کس کو پہچانوں گا ——— ؟ سالک صاحب ہیں؟" میری آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ وہ شیر جس کی دہاڑ سے کبھی پورا ہندوستان گونجتا تھا اور جس کا ایک قدم لاہور میں، دوسرا رنگون میں اور تیسرا بمبئی میں ہوتا تھا۔ آج اس کی خاموشی اور بے حرکتی نہایت عمیق درس عبرت تھی۔ اب چند سال سے مولانا گرمیوں کے چند مہینے مری میں گزارتے ہیں اور سردیوں میں کرم آباد آ جاتے ہیں ان کے برادر حقیقی چودھری غلام حیدر خاں دن رات ان کے پاس ہی رہتے اور ان کی تیمارداری اور خبر گیری کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ مولانا کو صحت تندرستی کے ساتھ زندہ رکھے وہ مسلمانان ہند و پاک کا بہت عزیز سرمایہ ہیں۔

www.taemeernews.com

www.taemeernews.com

میاں فضل حسین

پنجاب نے عملی سیاسیات کے دائرے میں جو بڑے آدمی پیدا کئے۔ ان میں میاں فضل حسین کا نام بلاشبہ سرفہرست ہے۔ اس صوبے میں ان جیسا عالی پایہ۔ دانشمند۔ ہمہ گیر اور شاطر سیاست دان پیدا نہیں ہوا۔ اور لطف یہ ہے کہ جب وہ نظم و نسق حکومت کے کاموں پر فائز ہوئے تو ایڈمنسٹریٹر کی حیثیت سے بھی بے مثال ثابت ہوئے۔ وہ اصلاً نیشنلسٹ اور ہندوستان کی آزادی کا مل کے طالب اور ہندوؤں اور مسلمانوں کے اتحاد عمل کے حامی تھے لیکن مسلمانوں کے حقوق و مفادات کی حفاظت سے ہرگز غافل نہ تھے۔ پنجاب میں ہندو مسلمان سکھ زمینداروں کی یونینسٹ پارٹی انہی کی سیاسی فراست کی مخلوق تھی اور اب یہ امر

www.taemeernews.com

مسلّم قرار پا چکا ہے کہ اگر ملک تقسیم نہ ہوتا اور دونوں حصوں میں تبادلۂ آبادی کا ہنگامہ برپا نہ ہوا ہوتا، تو پنجاب میں یونینسٹ پارٹی کے سوا اور کوئی سیاسی ترتیب صوبے کی عمومی بہبود اور مسلمانوں کی فلاح کی ضامن نہ ہو سکتی تھی۔

ہندوؤں کی طرف سے مخالفت

جب مانٹیگو چمسفرڈ کی اصلاحات کے ماتحت صوبوں میں دوعملی حکومت قائم ہوئی تو میاں فضل حسین یونیورسٹی کے حلقۂ انتخاب سے کامیاب ہو کر کونسل کے ممبر اور وزیر تعلیم مقرر ہو گئے۔ چونکہ ۱۹۱۶ء کے میثاق لکھنؤ پر ان کے دستخط بھی تھے اس لئے انہوں نے وزارت پر فائز ہوتے ہی ملازمتوں اور کالجوں کے داخلہ میں مسلمانوں کو میثاق لکھنؤ کے مطابق حصہ دینا شروع کیا۔ اس پر پنجاب کے ہندوؤں اور ان کے اخباروں میں بے حد اضطراب پیدا ہوا۔ کیونکہ ان کے ہاتھوں سے وہ مفادات چھن رہے تھے جن پر وہ اس سے قبل ناواجب طور پر قابض تھے پروفیسر گلشن رائے نے "ٹریبیون" میں میاں صاحب کی حکمت عملی کے خلاف بے شمار مضامین لکھے اور اردو کے ہندو اخباروں نے تو ان کو ہندو مسلم اتحاد کا دشمن اور ہندو قوم کا مخالف اور ملک کا غدار لکھنا شروع کر دیا۔ لیکن میاں صاحب نے نہایت خاموشی سے اپنا کام جاری رکھا اور دشنام و بدگوئی سے بالکل متاثر نہ ہوئے انہی دنوں ایک دفعہ مسز سروجنی نائیڈو لاہور آئیں جن کے دوستانہ تعلقات میاں صاحب کے ساتھ زمانہ طالب علمی سے چلے آ رہے تھے۔ ان کو میاں فضل حسین جیسے نیک طینت اور با اصول آدمی کے خلاف ہندوؤں کی اس بدتمیزی پر بہت

www.taemeernews.com

غصہ آیا۔ چنانچہ وہ ہندوؤں کی سخت مخالفت کے باوجود میاں صاحب ہی کے دولت کدے پر فروکش ہوئیں۔

گاندھی جی سے ملاقات

اتفاق سے انہی دنوں گاندھی جی بھی لاہور آئے۔ سروجنی نے میاں صاحب کے ساتھ ان کی ملاقات کا بندوبست کیا۔ اس ملاقات میں چند ہی منٹ کے اندر میاں صاحب نے گاندھی جی کو یقین دلا دیا کہ ان کے خلاف ہندوؤں کا شور و غوغا بالکل بے معنی ہے۔ میاں صاحب کی ایک خصوصیت یہ تھی کہ وہ ہر بات اختصار اور جامعیت کے ساتھ بیان کر دیتے تھے۔ اور لمبی چوڑی گفتگو اور طویل بحث کے قائل نہ تھے۔ آپ نے گاندھی جی کو بتایا کہ میں پرانا کانگرسی ہوں۔ لیکن جب آپ نے کانگرس پر قبضہ کر کے غیر آئینی طور طریقے اختیار کئے تو ان کو اپنے مذاق کے خلاف پا کر میں نے کانگرس کو چھوڑ دیا۔ لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ میں کانگرس کے اصول اساسی اور اس کے نصب العین سے بھی منکر ہو گیا ہوں۔ صدہا ایسے کانگرسی ملک میں موجود ہیں جو آپ سے اختلاف رکھنے کے باوجود قوم پرست۔ حریت خواہ اور ہندو مسلم اتحاد کے حامی ہیں۔ کیا آپ ان کو فرقہ پرست یا غدار وطن قرار دیں گے ؟

گاندھی جی نے کہا۔ ہرگز نہیں۔ پھر میاں صاحب نے فرمایا کہ میثاق لکھنؤ پر میں نے لیگ کی طرف سے نہیں بلکہ کانگرس کی طرف سے دستخط کئے تھے اس لئے میں پنجاب کے مسلمانوں کو جو حقوق دلانے کی کوشش کر رہا ہوں

www.taemeernews.com

یہ گویا کانگرس کے حکم کی تعمیل کر رہا ہوں ــــــــــــ
کیونکر میثاق پر دستخط کرنیوالے اس امر کے پابند ہیں کہ اقتدار حاصل ہونے کی صورت میں اس میثاق کی دفعات پر عمل کریں۔ پھر میں نے پنجاب میں جو "اتحاد پارٹی" قائم کر رکھی ہے وہ ملک بھر میں پہلی سیاسی پارٹی ہے جو فرقہ وار خطوط پر نہیں۔ بلکہ معاشی پروگرام کی بنا پر بنائی گئی ہے۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ زمینداروں اور کاشت کاروں کو سود خواروں اور نا واجب طور پر تنگ کرنے والے طبقوں اور افسروں سے نجات دلائی جائے۔ اس پارٹی میں ہندو، مسلمان۔ سکھ تینوں قوموں کے نمایندے شامل ہیں۔ کیا آپ کو اس پارٹی کے مقاصد یا اس کی ترکیب پر کوئی اعتراض ہے ؟

گاندھی جی قائل ہو گئے

گاندھی جی نے جواب دیا کہ کسی صحیح الدماغ آدمی کو اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ آپ کی پارٹی ملک بھر میں پہلی غیر فرقہ وار پارٹی ہے۔ میاں صاحب نے کہا کہ اب اگر اس پارٹی میں مسلمانوں کی اکثریت ہے تو ظاہر ہے کہ اس میں میرا کچھ قصور نہیں۔ اتفاق کی بات ہے کہ پنجاب کی آبادی میں مسلمان زیادہ ہیں۔ جیسے جیسے کانگرس میں ہندوؤں کی اکثریت کے ذمہ دار آپ نہیں ہیں کیونکہ ہندوستان میں اکثریت ہی ہندوؤں کی ہے۔

مجھے یاد ہے کہ جب گاندھی جی لاہور سے واپس گئے تو انہوں نے "ینگ انڈیا" میں میاں فضل حسین پر ایک نوٹ لکھا جس میں ان کی بجد تعریف

www.taemeernews.com

کی اور بتایا کہ مجھے ان کی وطن دوستی پر ذرا بھی شبہ نہیں اور وہ نہایت ٹھنڈے دماغ کے ہوشمند اولوالعزم اور اصول پرست انسان ہیں۔ اس پر پنجاب کے ہندو اخباروں نے گاندھی جی کو بھی ملاحیاں سنائیں اور لکھا کہ میاں فضل حسین کی عیاری سے مہاتما جی دھوکا کھا گئے۔ حالانکہ دھوکا کھانے کی کوئی بات نہ تھی میاں صاحب کا موقف ہی نہایت استوار تھا۔

حکومت ہند میں

پنجاب ہی میں نہیں بلکہ حکومت ہند میں بھی جب میاں صاحب وائسرائے کی ایگزکٹو کونسل کے ممبر مقرر ہوئے۔ ان کی بے نظیر قابلیت کے جھنڈے گڑ گئے ان کے صیغے تو "صحت اراضی اور تعلیم" تھے لیکن ان کی دوربین نظر سے دوسرے صیغوں کا کاروبار بھی پوشیدہ نہ تھا۔ اور وہ مسلمانوں کی سیاست کے متعلق بھی وائسرائے کو ہر وقت مفید مشورے دیتے رہتے تھے چنانچہ مسلمانوں کے حقوق، مسلم کانفرنس کے انعقاد، گول میز کانفرنس کے نمایندوں کے انتخاب اور ان کے طریق کار کی تجویز میں میاں صاحب نے اس قدر شبانہ روز محنت کی کہ ان کی صحت پر بہت ناگوار اثر پڑا۔

تحریک کشمیر کا مسئلہ

میاں صاحب کی ذہانت و فطانت اور ذمہ داری بے مثالی تھی۔ انہیں اگر کسی فرد یا جماعت سے کوئی کام لینا ہوتا تو وہ عجیب و غریب "تکنیک" سے

www.taemeernews.com

کام لیتے تھے۔ مثلاً اگر میاں صاحب کا منشا یہ ہو کہ زید مشرق کی طرف جائے تو وہ زید کو مغرب کی طرف جانے کا مشورہ دیتے تھے اور اس مشورے کے ساتھ ایسے دلائل پیش کرتے تھے جس سے زید بھنا جائے اور مشرق کی طرف چل دے اسی قسم کا ایک واقعہ میرے ساتھ بھی گزرا۔

کشمیر کی تحریک شدت سے جاری تھی۔ مہر صاحب ڈاکٹر اقبال کے ساتھ گول میز کانفرنس کے سلسلے میں انگلستان گئے ہوئے تھے کہ میاں صاحب چند روز کے لئے لاہور آئے اور اپنے مرحوم بیٹے نعیم حسین کی کوٹھی واقع جیل روڈ میں ٹھہرے۔ ایک دن میاں صاحب کے پارسی سیکرٹری خان بہادر نادر شاہ نے ٹیلیفون پر مجھ سے کہا کہ میاں صاحب آپ کو یاد فرماتے ہیں۔ میں گیا۔ اِدھر اُدھر کی باتیں کرتے رہے۔ میں نے عرض کیا کہ کشمیری بے حد مصیبت میں ہیں ان کے لئے کچھ کیجئے۔ کم از کم ذمہ دار اسمبلی ہی دلوا دیجئے۔

میں نے افتتاحیہ لکھا

میاں صاحب نے کہا۔ آپ بھی کمال کرتے ہیں۔ کیا کشمیری بہاولپور اور پٹیالہ کے لوگوں سے زیادہ پڑھے لکھے ہیں کہ انہیں تو اسمبلی بنانے کا حق دیدیا جائے۔ اور بہاولپور اور پٹیالہ کے لوگوں کو نہ دیا جائے۔ میں نے کہا اگر وہ طلب کریں تو انہیں بھی ملنی چاہیئے۔ سیاسی حقوق کا پڑھنے لکھنے سے کیا تعلق؟ میاں صاحب کہنے لگے۔ تھوڑی بہت تعلیم تو ضروری ہے۔ ان پڑھوں کو اسمبلی کا ممبر بنانا تو بیکار بات ہے۔ میاں صاحب کی ان کچی دلیلوں کو سن کر میرا دماغ کھول اٹھا۔

www.taemeernews.com

تھوڑی دیر بعد میں نے اجازت چاہی، اور گھر پہنچکر دو کالم کا ایک افتتاحیہ لکھا۔ جس میں اگرچہ میاں صاحب کا نام نہ لیا۔ لیکن ان کی پیش کردہ دلائل کی خوب دھجیاں اڑائیں اور لکھا کہ آزادی کی شرط تعلیم نہیں بلکہ سیاسی بیداری ہے۔ جن لوگوں نے آزادی کی خاطر جیل، تازیانہ، ضبطی جائداد اور پھانسی تک کی سزائیں ہنسی خوشی برداشت کی ہیں ان کو مطالبہ آزادی کا حق یقیناً حاصل ہے۔

یہ افتتاحیہ دوسرے دن "انقلاب" میں شائع ہوگیا۔ میاں صاحب لاہور سے جا چکے تھے۔ چوتھے پانچویں روز ان کا ایک خط دہلی سے آیا جس میں مجھے اس مضمون پر داد دی تھی اور لکھا تھا کہ آپ کے افتتاحیہ کا انگریزی میں ترجمہ کرایا جا رہا ہے اس وقت مجھے محسوس ہوا کہ میاں صاحب مجھ سے ایسا مضمون لکھوانا چاہتے تھے۔ جبھی انہوں نے الٹی سیدھی دلیلیں دے کر مجھے مشتعل کیا اور اپنا مطلب نکال لے گئے۔ کوئی نہ کہہ سکتا تھا کہ یہ مضمون میاں صاحب نے لکھوایا ہے۔ کیونکہ اس کا کوئی ثبوت نہ تھا بلکہ میاں صاحب یہ کہہ سکتے تھے اور میں خود اس کا شاہد تھا کہ انہوں نے میرے خیال کی مخالفت کی تھی۔ یہ احتیاط ذمہ داری اور خوش تدبیری کی ایک مثال ہے۔

چودھری ظفر اللہ خان کا تقرر

میاں صاحب حکومت ہند کی ممبری سے سبکدوش ہوئے تو چودھری ظفر اللہ خاں کا تقرر عمل میں آیا۔ اس پر "زمیندار" اور احراریوں نے بیحد شور مچایا کہ میاں فضل حسین مرزائیت نواز ہیں۔ وائسرائے کے نام بے شمار تار دیئے گئے کہ

www.taemeernews.com

آپ نے مسلمان کی اسامی پر ایک "غیر مسلم" کو مقرر کر دیا ہے۔ ظفر اللہ خان کو نکالئے اور اس کی جگہ کسی مسلمان کو مقرر کیجئے۔

اس موقع پر "زمیندار" اور احراری سر سکندر حیات خاں۔ نواب مظفر خاں اور دوسرے یونینسٹ لیڈروں کے ساتھ اپنے تعلقات کی پینگیں بڑھا رہے تھے اور میاں فضل حسین کی مخالفت میں زمین آسمان ایک کر رہے تھے۔ ان کا مقصد یہ تھا کہ میاں صاحب چونکہ خود رائے اور ضدی آدمی ہیں ان کے آگے ہماری دال نہ گلے گی۔ اس لئے ان کو لیڈری سے گرا کر سکندر حیات خاں کو پنجاب کا لیڈر بنا دیں۔

اب سنئے کہ ظفر اللہ خاں کا تقرر کیونکر ہوا۔ میاں صاحب کا بیان تھا کہ جن لوگوں نے حقیقتہً چودھری ظفر اللہ خاں کو مقرر کرایا وہ تو معترضین کے ممدوح بنے ہوئے ہیں لیکن میں خواہ مخواہ تمام طعن و تشنیع کا نشانہ بن رہا ہوں۔ حالانکہ میں نے ظفر اللہ خاں کو مقرر نہیں کرایا۔ گو میرے نزدیک موزوں ترین آدمی وہی ہیں۔ ہم نے کچھ میاں صاحب سے اور کچھ باخبر لوگوں سے دریافت کیا تو یہ تفصیل معلوم ہوئی کہ جب میاں صاحب کی سکندوشی کا وقت آیا تو لارڈ ولنگڈن وائسرائے نے میاں صاحب سے کہا۔ کہ آپ خود اپنا جانشین نامزد کیجئے۔ میاں صاحب نے نواب صاحب چھتاری اور سر غلام حسین ہدایت اللہ کے نام لئے۔ وائسرائے نے کہا۔ ہمیں زمینداروں کی تنظیم کے لئے یو۔ پی اور سندھ میں ان دونوں کی ضرورت ہے۔ آپ کوئی پنجابی تجویز کیجئے۔ میاں صاحب نے کہا کہ مجھے سکندوش ہو کر پنجاب میں آئندہ اصلاحات کو کامیاب بنانا ہے۔ لہٰذا سب ہی بااثر اور مفید آدمیوں سے اچھے تعلقات قائم رکھنا چاہتا ہوں اگر مرکز کے لئے

www.taemeernews.com

کسی ایک کا نام تجویز کرتا ہوں تو متعدد امیدواروں کو مجھ سے شکایت پیدا ہو گی اس لئے چند یوم کی مہلت دیجئے۔ مَیں اتحاد پارٹی کو لکھتا ہوں وہ جس کو نامزد کر دے اس کے نام پر غور فرما لیجئے گا۔

میاں صاحب کا لائحہ عمل

اس کے بعد میاں صاحب نے ایک طرف چودہری چھوٹو رام کو سارا معاملہ لکھ کر ہدایت کی کہ پارٹی کا اجلاس منعقد کر کے ایک نام منظور کراؤ اور مجھے اطلاع دو۔ دوسری طرف ایک خط میں آپ نے چودھری شہاب الدین کو آئندہ اسمبلی کی صدارت کا یقین دلایا۔ سکندر حیات خاں کو اپنا دست راست بنانے کا وعدہ کیا۔ اور فیروز خاں نون کو لندن میں ہائی کمشنر مقرر کرانے کا یقین دلایا اور یہ تمام خطوط کانفیڈنشل طور پر لکھے گئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جب پارٹی کا اجلاس ہوا تو ان تینوں بزرگوں نے کہہ دیا کہ ہم تو مرکز میں نہیں جانا چاہتے۔ یہ سن کر پارٹی عجب ضغطے میں پڑ گئی۔ اتنے میں غالباً میاں امیر الدین یا کسی اور صاحب نے تجویز پیش کر دی کہ چودھری ظفر اللہ خاں اس سے قبل مرکز میں میاں صاحب کی قائم مقامی بھی کر چکے ہیں۔ اس لئے ان کا نام بھیجا جائے۔ وہ احمدی ہیں آئندہ اصلاحات کے موقع پر ہم انہیں ان کے شایانِ شان عہدہ نہ دے سکیں گے۔ کیونکہ احمدیوں کی مخالفت بہت زیادہ ہے۔ بہتر یہی ہے کہ وہ وائسرائے کی کونسل کے ممبر ہو جائیں۔ سب نے اپنے ذاتی اجتماعی اور دوسرے مقاصد کے پیش نظر اس تجویز پر صاد کر دیا۔ چودھری صاحب کا نام وائسرائے کو بھیجا گیا

www.taemeernews.com

اور وہ میاں صاحب کے جانشین مقرر ہو گئے۔

یہ صحیح ہے کہ میاں صاحب چودہری ظفر اللہ خان ہی کو مقرر کرنا چاہتے تھے۔ لیکن ابتدا سے انتہا تک انہوں نے اس تقرر کی ذمہ داری اپنے سر نہیں لی بلکہ یہ کام بلطائف الحیل پارٹی سے کرایا۔

چند خصوصیتیں

میاں فضل حسین عام طور پر ترکی ٹوپی اور انگریزی سوٹ پہنتے تھے۔ اور سرکاری اور دفتری مصروفیتوں میں ہیٹ لگایا کرتے تھے۔ وہ پنجاب اور ہند کی حکومتوں میں چودہ سال تک بڑے بڑے عہدوں پر فائز رہے۔ لیکن یہ پوری مدت علالت ہی میں بسر ہوئی۔ یہاں تک کہ ایک پھیپھڑا ڈاکٹروں نے لاعلاج سمجھ کر خشک کر دیا تھا۔ نہ کسی پر سختی کرتے تھے نہ ڈانٹ ڈپٹ اور بدزبانی سے کام لیتے تھے۔ لیکن اس کے باوجود ان کی شخصیت میں ایک خاص ہیبت تھی۔ جس کی وجہ سے دوست دشمن ان کے ساتھ سنبھل کر بات کرتے تھے سر سکندر حیات خاں کے ہاں تو ہر وقت اہل غرض۔ مداحوں اور دوستوں کا دربار لگا رہتا تھا۔ یہاں تک کہ ان سے کام کی بات کرنا مشکل ہو جایا کرتا تھا۔ لیکن میاں صاحب کی یہ کیفیت نہ تھی۔ ان کے ہاں ایک سو ملاقاتی بھی ہوتے تو وہ ان کو دو تین گھنٹے کے اندر بھگتا دیتے تھے۔ ہر آدمی کے ساتھ الگ الگ ملاقات کرتے کام کی بات کی۔ کام کی بات سنی اور قصہ ختم۔ اس کے بعد کوئی شخص ان کے پاس ایک منٹ کے لئے بھی نہ بیٹھ سکتا تھا گپ زنی کے لئے ان کے پاس وقت نہ

www.taemeernews.com

تھا۔ بات میں ایجاز و اختصار کو انہوں نے "فن لطیف" بنا دیا تھا۔ جو شخص اس عزم سے آتا کہ میاں صاحب کی خدمت میں ایک گھنٹہ صرف کر کے اپنا معاملہ سمجھاؤں گا۔ وہ پانچ منٹ کی گفتگو میں مطمئن ہو کر چلا جاتا۔

قائداعظم اور اتحاد پارٹی

قائداعظم سے ملاقات ہوئی تو معلوم ہوا کہ وہ احرار۔ اتحاد ملت اور دوسری جماعتوں کو مسلم لیگ سے منفق و متحد کر چکے ہیں اور اب کسر صرف اتنی باقی ہے کہ اتحاد پارٹی کے مسلمان ممبر بھی شامل ہو جائیں تاکہ اتحاد مسلمین مکمل ہو جائے میاں صاحب نے فرمایا۔ میں اس کے لئے بالکل تیار ہوں۔ آپ مجھے صرف یہ یقین دلا دیجئے کہ اس اتحاد بعد جو انتخابات ہوں گے اور اسمبلی قائم ہوگی۔ اس میں مسلمان سب کے سب متحد رہیں گے۔ قائداعظم نے کہا بھلا اس بات کا یقین میں کیونکر دلا سکتا ہوں۔ میاں صاحب نے جواب دیا۔ اگر مسلمان اسمبلی میں متحد نہ رہے تو لازماً اقلیت میں ہو جائیں گے اور کسی اور جماعت کو ساتھ ملا کر ہی وزارت قائم کرنی ہوگی۔ پھر اس اتحاد کا عملی فائدہ کیا ہوا؟ اسی صورت حال سے بچنے کے لئے میں نے اتحاد پارٹی قائم کر رکھی ہے۔ اس پارٹی میں دو چار کانگرسی احراری وغیرہ مسلمانوں کے سوا باقی سب مسلمان متحد رہتے ہیں اور جو وزارت بنتی ہے اس میں مسلمان مقتدر حیثیت بھی رکھتے ہیں اور غیر مسلم ان کی مخالفت بھی نہیں کر سکتے۔ قائداعظم خاموش ہو گئے اور اتحاد پارٹی کو اس کے حال پر چھوڑ دیا۔

www.taemeernews.com

میاں صاحب بٹالہ کے رہنے والے تھے اور میرے بزرگوں اور ان کے بزرگوں کے درمیان تعلقات دروابط مخلصانہ قائم تھے۔ اس لئے مجھ سے خصوصیت برتتے تھے اور اب ان کے برادران کوچک میاں افضل حسین وائس چانسلر اور میاں امجد حسین (پولیس سروس) کی خدمت میں بھی مجھے نیاز خصوصی حاصل ہے۔

www.taemeernews.com

سردار سکندر حیات خان

پنجاب کے ارباب سیاست میں سے میاں فضل حسین اور سکندر حیات خاں دونوں نہایت دانشمند، بالغ نظر اور مصلحت بین واقع ہوئے تھے اور انہوں نے صوبے کی اور مسلمانوں کی خدمت میں اپنی انتہائی صلاحیتیں صرف کیں۔ ان دونوں میں فرق صرف یہ تھا کہ میاں صاحب میں ایک خاص ہیبت اور "دور باش" قسم کی کیفیت تھی۔ جس کی وجہ سے اچھے اچھے قابل اور ذی اثر لوگ بھی ان سے رک کر ملتے اور محتاط ہو کر بات کرتے تھے۔ اس کے برعکس سردار سکندر حیات خاں کی شخصیت میں ایک خاص کشش اور محبوبیت تھی۔ جو مخالفین کو بھی مسحور کر دیتی تھی لوگ میاں صاحب سے مرعوب ہوتے تھے لیکن سردار صاحب سے محبت کرتے تھے۔

www.taemeernews.com

پنجاب میں جدید اصلاحات کے ماتحت وزارت مرتب کرنے سے پیشتر سردار صاحب ریویو ممبر اور عارضی گورنر کی حیثیت سے اپنی محنت اور قابلیت کا ثبوت دے چکے تھے۔ ان کا دو دفعہ قائم مقام گورنر ہونا مسلمانوں کے لئے باعث مسرت ہوا۔ بلکہ گورنری کے زمانے میں جب وہ نماز جمعہ کے لئے شاہی مسجد میں جاتے تو مسلمان پھولے نہ سماتے اور پرجوش نعروں سے مسلمان حاکم صوبہ کا استقبال کرتے۔

وضع و قطع

سردار صاحب بالا بلند، وجیہ و شکیل، چھریرے بدن کے آدمی تھے۔ انگریزی سوٹ بھی پہنتے اور شیروانی شلوار بھی۔ لیکن دونوں صورتوں میں سر پر سفید ململ کی پگڑی باندھتے جس پر پنجاب کے زمینداروں کا امتیازی نشان یعنی طرہ دستار بہار دیتا تھا۔ کبھی کبھی گھریلو قسم کی مجلسوں میں ترکی ٹوپی بھی پہن لیتے لیکن طرہ دار سفید دستار ان کا سرکاری و غیر سرکاری لباس تھا۔ ہیٹ سے نفرت کرتے تھے۔ نہایت جامہ زیب آدمی تھے۔ اور ہمیشہ اعلیٰ درجے کا لباس پہنتے تھے اگرچہ اصلاً وہ ضلع اٹک کے رہنے والے اور خالص کھتر قبیلے کے زمیندار تھے لیکن لاہور اور علی گڑھ کی تعلیم اور شہری شرفا اور انگریزوں کے ساتھ خلا ملا کی وجہ سے ان کے اوضاع و اطوار بود و ماند اور بات چیت میں دیہاتی انداز کا شائبہ تک نظر نہ آتا تھا۔ شاہ خرچ اور مہمان نواز آدمی تھے۔ اس لئے اکثر ان کی زمینداری اور ملازمت کی آمدنیاں مل کر بھی ان کے مصارف کا ساتھ نہ دے سکتی تھیں

www.taemeernews.com

اور عام طور پر مقروض ہی رہتے تھے۔ چنانچہ مرنے کے وقت بھی کم و بیش لاکھ روپے کے مقروض تھے۔

ہماری پہلی سیاسی گفتگو

بعض دراندازلوگ ان کے اور میاں فضل حسین کے درمیان کشاکش پیدا کرنے کے خواہشمند تھے۔ لیکن سردار صاحب کے دل میں میاں صاحب کا بے حد احترام تھا۔ کیونکہ میاں صاحب کی قابلیت و صلاحیت مسلم تھی۔ رسوخ و اقتدار بھی زیادہ تھا۔ اور سکندر حیات خاں ان نوجوانوں میں سے تھے جن کی سیاسی تربیت میاں صاحب ہی کے آغوش شفقت میں ہوئی تھی۔ پنجاب کی ملازمتوں کے بعد انہوں نے ریزرو بنک آف انڈیا کی ڈپٹی گورنری کا عہدہ قبول کر لیا تھا۔ اس زمانے کا ذکر ہے ہم ایک دن مولوی غلام محی الدین قصوری سے بات چیت کر رہے تھے کہ میاں صاحب اور سکندر حیات کی کشمکش کا ذکر درمیان میں آگیا۔ مولوی صاحب نے کہا کہ لوگ خواہ مخواہ غلط فہمیاں پیدا کرتے ہیں۔ میاں صاحب اور سکندر حیات خاں کے تعلقات و روابط بے حد مخلصانہ ہیں۔ انہی دنوں سکندر لاہور آئے تو مولوی صاحب نے گولڈنگ روڈ پر کرنل سوڈھی کی کوٹھی میں سکندر کے ساتھ ہماری ملاقات کا انتظام کیا جہاں دو گھنٹے تک ہم نے جی بھر کے ان سے باتیں کیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ہم پر اس دلفریب شخصیت کے کئی ایسے پہلو روشن ہوئے جو اس سے قبل آنکھوں سے اوجھل تھے اور ہمیں یقین ہو گیا کہ میاں صاحب کے بعد پنجاب کا لیڈر یہی ہو سکتا ہے

www.taemeernews.com

ایک ملاقات مولوی فیروز الدین (مالک فیروز سنز) مرحوم کے ہاں بھی ہوئی۔ جن سے سر سکندر کا گہرا رابطہ تھا۔

بے نظیر وزارت

اس کے بعد ہمیں سر سکندر کی طبیعت میں بے حد دخور حاصل ہو گیا اور جب میاں صاحب کے انتقال کے بعد سر سکندر نے پنجاب میں اتحاد پارٹی کی وزارت مرتب کی۔ تو ہم سے اکثر مشورے کرتے۔ اور جو فیصلہ ہوتا۔ اس پر عمل بھی کرتے۔ اس وزارت میں سر سکندر کے علاوہ چودہری چھوٹو رام۔ سر منوہر لال۔ سر سندر سنگھ مجیٹھیا۔ ملک خضر حیات خاں اور میاں عبدالحی شامل تھے۔ جدید اصلاحات کو اس وزارت نے پنجاب میں جس پیمانے پر کامیاب کر کے دکھایا۔ اس کے ضامن صرف سر سکندر تھے۔ جنہوں نے دیانت و خدمت کا بلند ترین معیار قائم کر کے اپنے رفقاء کو اپنے سانچے میں ڈھال لیا تھا۔ سر سکندر اور سر چھوٹو رام نے اسمبلی میں دھڑا دھڑ ایسے قوانین پاس کئے جن سے زمینداروں کو بے حد تقویت پہنچی ساہوکارہ ختم ہو گیا۔ غریبوں کو سود در سود کی تباہ کن مصیبت سے نجات ملی بیسیوں سالوں کی رہن شدہ زمینیں واپس مل گئیں۔ مصالحتی بورڈوں کے ذریعے سے کروڑوں روپے کا قرضہ صاف کر دیا گیا اگر جنگ عظیم کی مصروفیتیں حائل نہ ہو جاتیں تو سر سکندر خدا جانے اور کتنی دور رس اصلاحات اس صوبے میں نافذ کر دیتے۔

www.taemeernews.com

قائدِ اعظمؒ سے وفاداری

جس وقت قائداعظم محمد علی جناح نے حقوق مسلمین کا علم بلند کیا تو سردار صاحب ان کے ہم زبان تھے اور ان کو تمام مسلمانان ہند کا مختار لیڈر سمجھتے تھے۔ ان کا قول تھا کہ میں صرف اپنے صوبے کے باشندوں کا نمایندہ ہوں اور وہ بھی بلا امتیاز مذہب و ملت۔ میں پنجاب کی طرف سے بات کرنے کا مجاز تو ہوں لیکن مسلمانوں کے حقوق اور ہندوستان میں ان کے آئندہ موقف کا فیصلہ کرنے کا حق صرف آل انڈیا مسلم لیگ کے صدر اور قائداعظم کو ہے اور میں بحیثیت مسلمان ان کے حکم کا پابند ہوں۔

یہاں تک کہ ایک دفعہ پنڈت جواہر لال نہرو لاہور آئے اور علامہ اقبال اور سر سکندر سے مل کر کہنے لگے:۔

——————— آپ ہمارے ساتھ مسلمانوں کے حقوق کے متعلق بات کیجئے تو آسانی سے فیصلہ ہو سکتا ہے۔ جناح صاحب بہت سخت آدمی ہیں۔ ان سے تصفیہ کی گفتگو بے حد مشکل ہے۔ علامہ اقبال تو مسلم لیگ کے لیڈر رہے تھے اور صدر بھی رہ چکے تھے۔ وہ نہرو کی بات کیا سنتے۔ سر سکندر نے بھی پنڈت جی کو یہی جواب دیا کہ مسلمانانِ ہند کی سیاست کے تمام مسائل ہم نے قائداعظم کے سپرد کر رکھے ہیں۔ انہیں ہماری طرف سے سیاہ و سفید کا اختیار حاصل ہے۔ کسی دوسرے شخص کو یہ استحقاق نہیں کہ حقوق مسلمین کے متعلق کانگرس یا کسی اور جماعت سے بات کرے۔

www.taemeernews.com

کاٹن بل کا قصّہ

قائداعظم بھی سردار صاحب کی فراست اور ان کے اثر و نفوذ اور انکی وفاداری کی وجہ سے ان پر اعتماد رکھتے تھے اور انہی کو پنجاب میں مسلم لیگ کا سردار تسلیم کرتے تھے۔ چنانچہ مسلم لیگ کی تنظیمی کمیٹی کی ترتیب سردار صاحب ہی کی سرکردگی میں کردی گئی تھی۔ انہی دنوں ایک واقعہ یہ ہوا کہ قائداعظم نے مرکزی اسمبلی میں "کاٹن بل" پر تقریر کرتے ہوئے حسب معمول لنکا شائر والوں کے مقابلے میں بمبئی اور احمد آباد کے کارخانہ داروں کی حمایت شروع کردی۔ ہندوستانی قوم پرستی کے نقطہ نگاہ سے تو یہ چیز صحیح تھی۔ لیکن مسلمانوں کے مفاد کے لحاظ سے مضر تھی۔ کیونکہ کپاس پیدا کرنے والے قریب قریب سبھی مسلمان ہیں۔ اگر لنکا شائر اور دوسرے خریداروں کے درمیان کھلا مقابلہ نہ ہو تو کاشت کار کو مناسب قیمت وصول نہیں ہوسکتی۔ خریداروں میں مقابلہ ہونے کی وجہ سے کاشت کار خاصا روپیہ کما لے جاتا ہے۔ سردار صاحب کو یہ دیکھ کر تشویش ہوئی۔ وہ فوراً لاہور دہلی پہنچے اور قائداعظم کی خدمت میں عرض کیا کہ اب آپ مسلم لیگ کے صدر اور مختار کل ہیں۔ اس لئے صرف مسلمانوں کے مفاد کی حفاظت کیجئے۔ ملکی سرمایہ دار اپنے مفادات کی حفاظت خود کریں۔ اب نیشنلزم کو تہ کر رکھیئے اور کپاس پیدا کرنے والے غریب مسلمان دیہاتیوں پر ظلم نہ ہونے دیجئے۔ تفصیلات سن کر قائداعظم پریشان ہوئے اور سر سکندر سے کہنے لگے کہ تم صحیح کہتے ہو۔ پنجاب کے زمینداروں کو میری طرف سے یقین دلا دو کہ آئندہ اس غلطی کا اعادہ نہ ہوگا۔

www.taemeernews.com

خاکساروں کا قضیہ

جنگ عظیم زوروں پر تھی۔ ایک دن سردار صاحب نے ہم سے ذکر کیا کہ ہندو اور سکھ اپنے والنٹیروں کے دل تیار کر رہے ہیں جو دن رات بازاروں میں مارچ اور میدانوں میں پریڈ کرتے پھرتے ہیں۔ میں دوران جنگ میں یہ چیز روا نہیں رکھ سکتا۔ اور عنقریب ایسی جماعتوں پر پابندی عاید کرنا چاہتا ہوں۔ مجھے معلوم ہے کہ ہندو اور سکھ فوراً حکم امتناعی پر عمل کریں گے اور اگر کوئی خلاف ورزی کرے گا تو اس سے میں سمجھ لوں گا۔ مجھے اگر اندیشہ ہے تو اپنے شوریدہ سر بھائی علامہ مشرقی سے کہیں ایسا نہ ہو کہ مجھے اس سے مقابلہ ہونا پڑ جائے۔ اس کے بعد میر مقبول کی وساطت سے بات چیت بھی ہوئی جس کا کوئی نتیجہ نہ نکلا۔ پھر علامہ صاحب کو بلوا کر ان سے براہِ راست گفتگو کی اور یہ قرار پایا کہ خاکساروں کو بیلچہ برداری اور وردی پوشی کی اجازت ہو گی۔ لیکن وہ قطار بندی کر کے سڑکوں پر مارچ نہ کریں گے۔ اس کے بعد علامہ صاحب دہلی چلے گئے۔ بعد کے حالات کی تفصیل "سرگزشت" میں درج ہو چکی ہے۔

مسلم لیگ کا اجلاس لاہور

مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس ۲۱ مارچ ۱۹۴۰ء کو لاہور میں قرار پا چکا تھا۔ اور یہ اجلاس بے حد اہم تھا۔ کیونکہ مسلمانان ہند پاکستان پر متفق ہو چکے تھے اور اس اجلاس میں اس اتفاق آرا کا مظاہرہ کرنا مقصود تھا۔ اجلاس سے دو تین دن پیشتر خاکساروں

www.taemeernews.com

لیگ کے پنڈال کی طرف کوچ کیا۔ پولیس نے روکا۔ تصادم ہوا۔ بہت سے خاکسار مارے گئے۔ شہر کی فضا مکدر ہو گئی۔ لیکن سردار سکندر حیات خاں نے پرلے درجے کے تدبر سے کام لیا۔ قائداعظم تشریف لائے۔ ان کا شاندار استقبال کیا گیا۔ مسلم لیگ کا اجلاس بخیر و خوبی منعقد ہوا۔ اور قائداعظم کے تدبر اور سر سکندر کی دور اندیشی کے باعث فضا کا تکدر مسلمانوں کے سیاسی اجتماع اور ان کے نصب العین کے مؤثر اظہار میں حائل نہ ہو سکا۔

صبر و ایثار

انہی دنوں خبر آئی کہ شوکت حیات خاں زخمی ہو کر دشمن کے ہاتھ قید ہو گئے ہیں لیکن سردار سکندر حیات خاں کے چہرے بشرے اور ان کے معمولاتِ روزمرہ سے ایک لمحے کے لئے بھی کسی اضطراب کا اظہار نہ ہوا۔ وہ بدستور اپنی قوم اور اپنے صوبے کی خدمت میں مصروف رہے۔ غالباً یہ اسی صبر و شکیب اور خاموش دعاؤں کی برکت تھی کہ اپریل ۱۹۴۵ء میں شوکت کی رہائی کی خبر آ گئی۔

سر سکندر نے ایک قانون نافذ کرایا جس کا منشا یہ تھا کہ جن اراضی مرہونہ کے رہن پر ساٹھ برس گزر چکے ہیں وہ بغیر کسی ادائیگی کے واگزار کر دی جائیں صرف اس قانون کے اثر سے سردار صاحب کے خاندان کے ہاتھ سے کوئی تین لاکھ روپے کی اراضی نکل گئیں۔ سردار صاحب کو یہ معلوم تھا کہ وہ زمین اگلنی پڑے گی لیکن انہوں نے قومی مفاد کو ذاتی نفع پر ترجیح دی اور یہ نقصان ہنسی خوشی برداشت کر لیا۔

www.taemeernews.com

خاکسار مساجد میں

خاکساروں کی ہنگامہ آرائی جاری تھی۔ اب انہوں نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ بیس بیس پچیس پچیس کی ٹولیاں بنا کر مسجدوں میں گھس بیٹھے اور اپنے مقاصد کی تبلیغ کرنے لگے۔ پولیس نے مسجدوں پر پہرے لگا دیئے۔ خاکساروں کو مساجد کے اندر کھانے پینے کی چیزیں نہ پہنچ سکتی تھیں۔ بعض کھانا پہنچانے والوں کو پولیس نے گرفتار کر لیا۔ شہر میں اضطراب بہت بڑھ گیا۔ ساٹھ ستر معززین شہر کا وفد سردار صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا۔ نواب شاہ نواز خان (ممدوٹ) نے نمایندہ شہر کی حیثیت سے حرف مطلب بیان کیا۔ جس کے جواب میں سردار صاحب نے جو کچھ کہا وہ ان کی اسلامیت دردمندی اور ایثار کا مظہر تھا۔ آپ نے کہا۔ وزیر اعظم کے پاس وفد لے جانے کا طریقہ یہ ہے کہ اس کے پی۔ اے سے وقت مقرر کیا جائے۔ لیکن آپ حضرات جو بے تکلف اتنی تعداد میں آ گئے ہیں اور کسی ضابطے یا قاعدے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ تو اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ کو اس کا حق ہے۔ کیونکہ جس آقا کے آپ غلام ہیں اسی کا میں بھی غلام ہوں اور میں سمجھتا ہوں کہ خاکسار حضرات کو بھی اسی آقا کی غلامی کا دعویٰ ہے۔ اگر آپ کو یہ حق حاصل ہے کہ مجھے میری کوتاہیوں پر ملامت کریں۔ تو کیا آپ کو یہ حق حاصل نہیں کہ خاکساروں کو بھی مصلحت اندیشی کی نصیحت کریں۔ میں تو آپ لوگوں کے حکم کی تعمیل کر دوں گا۔ لیکن کیا وہ بھی آپ کے کسی مشورے کو قبول کرنے پر آمادہ ہیں؟ میں خود بخود تو وزیر اعظم کی کرسی پر نہیں بیٹھ گیا۔ آپ ہی لوگوں نے مجھے بٹھایا ہے اور حکم دیا ہے

www.taemeernews.com

کہ تم اس صوبے میں قانون ونظم کے قیام کے ذمہ دار ہو۔ میں اپنا فرض ادا کر رہا ہوں۔ اگر ادائے فرض میں میری طرف سے کوئی غفلت یا غلطی ہو رہی ہے تو آپ بڑے شوق سے فرما دیجئے میں اس منصب سے علیحدہ ہو جاؤں گا اور آپ یقین کیجئے کہ اس تبدیلی میں دو گھنٹے سے زیادہ صرف نہ ہوں گے میں اس کا ذمہ لیتا ہوں۔

زندہ باد

اس پر ہر طرف سے آوازیں اٹھنے لگیں، سردار صاحب آپ یہ کیا فرما رہے ہیں۔ ہمارے پاس آپ سے بہتر کوئی آدمی نہیں۔ ہمیں آپ پر کامل اعتماد ہے اس کے بعد سردار صاحب نے ڈپٹی کمشنر لاہور مسٹر بورن کو بلوایا اور حکم دیا کہ مساجد سے پہرے ہٹا لئے جائیں۔ خاردار تار اٹھا لے جائیں۔ خاکساروں کو کھانا پہنچانے پر کوئی پابندی نہ لگائی جائے۔ کسی نمازی کو دق نہ کیا جائے۔ اور گرفتار شدگان رہا کر دیئے جائیں اس پر وہ تناؤ جو عوام میں پیدا ہو رہا تھا رفع ہو گیا۔ اور بعض مقامات پر سکندر حیات زندہ باد کے نعرے بھی لگائے گئے۔

ڈیفنس کونسل سے استعفا

مسلم لیگ کی اعلان کردہ پالیسی یہ تھی کہ مساعی جنگ میں حصہ نہ لیا جائے۔ گو انفرادی طور پر اس کی اجازت تھی۔ سردار صاحب مسلم لیگی ہونے کے باوجود وزیر اعظم پنجاب کی حیثیت سے از سر تا پا خدمات جنگی میں منہمک تھے۔ انہی دنوں وائسرائے نے جنگ کے سلسلے میں ایک ڈیفنس کونسل قائم کی۔ جس میں سر سکندر

www.taemeernews.com

اور مولوی فضل الحق بھی ممبر بنائے گئے۔ قائداعظم کو اس پر اعتراض تھا۔ یہاں سر سکندر یہ فیصلہ کر چکے تھے کہ اگر مسلم لیگ نے ڈیفنس کونسل کی ممبری پر اعتراض کیا تو وہ عارضی طور پر مع اپنے رفقاء کے مسلم لیگ سے علیحدہ ہو جائیں گے۔ اس عزم کے ساتھ وہ مسلم لیگ کونسل کے اجلاس بمبئی میں شامل ہوئے۔ جہاں انہوں نے یہ فرمایا کہ میں مسلم لیگ کے سلسلے میں یا مسلمانوں کا نمایندہ ہونے کی حیثیت سے ڈیفنس کونسل کا ممبر نہیں بنایا گیا۔ بلکہ پورے پنجاب کے وزیراعظم کی حیثیت سے لیا گیا ہوں جس میں سبھی قومیں اور ہر سیاسی خیال کے لوگ بستے ہیں اور ان کی عظیم اکثریت خدمات جنگ میں مصروف ہے۔ میں ہرگز مسلمانوں کا لیڈر نہیں ہوں۔ یہ منصب صرف قائداعظم اور مسلم لیگ کو حاصل ہے۔

اس پر قائداعظم نے گورنر بمبئی کی ایک مراسلت نکال کر دکھائی جس میں وائسرائے کا یہ قول نقل کیا گیا تھا کہ ہم نے مسلمانوں کی نمائندگی کے لئے سر سکندر، مولوی فضل الحق اور سر سعداللہ (وزیراعظم آسام) کو ڈیفنس کونسل کا ممبر منتخب کیا ہے۔ یہ مراسلہ دیکھ کر سر سکندر سخت پریشان ہوئے اور انہوں نے صاف کہہ دیا کہ اگر میں مسلمان نمائندے کی حیثیت سے ممبر بنایا گیا ہوں تو یہ غلط ہے۔ لہٰذا میں ابھی نیشنل ڈیفنس کونسل سے مستعفی ہوتا ہوں۔ اس پر مسلم لیگ کے حلقوں نے سر سکندر کے تدبر اور دانشمندی کی تعریف کی۔ اس کے بعد سر سکندر نے مولوی فضل الحق اور سر سعداللہ کو بھی ٹیلیفون کر کے استعفے کا مشورہ دیا۔ سر سعداللہ تو مستعفی ہو گئے لیکن مولوی فضل الحق نے دس دن کی مہلت مانگی تاکہ اپنے ان رفقا سے بات چیت کر لیں جو بنگال اسمبلی میں یورپینوں کے منتخب نمائندے تھے۔

www.taemeernews.com

لیکن اس کے بعد بھی مولوی صاحب ڈیفنس کونسل سے استعفا نہ دے سکے۔

ایران میں برطانوی فوجیں

جب دوران جنگ میں رشید عالی جیلانی کے واقعہ کے بعد انگریزوں نے ایران میں فوجیں داخل کر دیں تو ہم نے علی الاعلان اخبار میں اس کی مخالفت کی۔ سردار صاحب اس پر بہت جز بز ہوئے اور ہمیں سمجھانے کی کوشش کی۔ میں نے اور مہر صاحب نے کہا کہ جنگ کے بعد بھی انگریز ایران سے نہ نکلیں گے سردار صاحب نے کہا کہ اگر ایسا ہوگا تو انگریزوں کو وہاں سے نکالنے کی جدوجہد میں آپ کے ساتھ ہوں گا۔ جب ایرانیوں نے مصالح جنگ کی وجہ سے موجودہ انتظام کو قبول کر لیا ہے تو آپ کو مدعی سست اور گواہ چست بننے کی ضرورت نہیں۔ اس کو چھوڑیئے اللہ انجام بخیر کرے گا۔

سردار صاحب کے سیاسی کارناموں کو بیان کرنے کے لئے تو ایک پوری کتاب کی ضرورت ہے۔ کہیں سکندر بلد یو معاہدہ ہو رہا ہے۔ کہیں دیسی کتابوں کا معاملہ سلجھایا جا رہا ہے۔ کہیں بکری ٹیکس کے خلاف شہری بندوشورش برپا کر رہے ہیں لیکن ہر معاملے کی تفصیلات سے سر سکندر کی دانشمندی اور شیریں مزاجی کا پتہ چلتا ہے۔ وہ ہر غصے کو پیار محبت سے اور ہنسی خوشی حل کر دیا کرتے تھے

ہنگامہ شادی اور بربادی

سردار صاحب نے سنہ ۱۹۴۲ء کے اواخر میں اپنے بیٹے غلام حیات خاں اور اپنی

www.taemeernews.com

بیٹی طاہرہ بیگم کی شادیوں کا اہتمام کیا۔ اتفاق سے انہی دنوں شوکت حیات بھی میدان جنگ سے آ گئے۔ ان کی شادی کا بندوبست بھی کر دیا گیا۔ ۲۶ دسمبر کو کوئی ڈیڑھ دو ہزار اکابر و شرفائے پنجاب کو ٹی پارٹی دی گئی جس میں انگریز، ہندو، مسلمان، سکھ، حکام، شرفا، روسا، علما، مشائخ، مدیران جرائد سبھی شامل تھے اور اس عظیم الشان اجتماع سے صاف ظاہر تھا کہ سر سکندر حیات خاں کے عروج اور ہر دلعزیزی کا آفتاب نصف النہار پر پہنچ چکا ہے۔

اسی دن رات کو وہ دفعتہً حرکت قلب بند ہو جانے سے انتقال کر گئے اور ہنستا، کھیلتا، لہلہاتا ہوا پنجاب غم و الم کی گھٹاؤں سے تیرہ و تار نظر آنے لگا۔ حقیقت یہ ہے کہ متحدہ پنجاب کی شان و شکوہ اور اس کی خوشحالی و خرمی کا آخری دن وہی تھا جس دن سکندر حیات خاں زندگی سے منہ موڑ کر موت کی وادیوں میں روپوش ہو گیا۔

www.taemeernews.com

www.taemeernews.com

چودھری شہاب الدین

سرو قد۔ داڑھی مونچھ صاف۔ رنگ کالا۔ سفید ململ کی پگڑی۔ لمبا کوٹ یا اچکن۔ اس پر سفید چغہ۔ گلے میں سفید دوپٹہ۔ آنکھوں پر عینک۔ آواز بلند اور گرجیلی ـــــ یہ تھے چودھری سر شہاب الدین۔ لاہور کے نہایت کامیاب وکیل اور پنجاب کونسل میں زمینداروں کے نمائندے۔

سولہ سال کی عمر میں پڑھنا لکھنا شروع کیا۔ اس سے پہلے کھیتوں میں گھومنے اور کھانے پینے کے سوا کوئی کام نہ تھا۔ آغاز تعلیم میں تاخیر ہونے کے باوجود اپنی ذہانت و طباعی کے باعث اعلیٰ تعلیم تک پہنچے۔ اور ایل ایل بی کرنے کے بعد وکیل بن گئے۔ جب دوران تعلیم میں ہاسٹل میں داخل ہوئے۔ تو

www.taemeernews.com

خوراک کی یہ کیفیت تھی کہ پچاس پچاس چپاتیاں بیک وقت کھا جاتے تھے۔ اور ہاشل میں شور مچ جاتا تھا۔ لڑکپن سے لیکر جوانی تک اور جوانی سے ادھیڑ عمر تک خوراک کی یہی کیفیت رہی۔ بڑھاپے میں بھی اچھے اچھے جوانوں سے زیادہ کھاتے تھے۔ ایک دفعہ میں صبح ہی صبح ملنے گیا۔ چودھری صاحب سیر سے واپس آئے تو لسی طلب کی۔ گھر میں سے ایک گھڑا لسی کا اور ایک پیالہ بھیجا گیا۔ اب باتیں کرتے جاتے ہیں اور لسی پیتے جاتے ہیں۔ چند منٹ میں گھڑا خالی ہو گیا۔

پگڑی سنبھال اوجٹا

موجودہ صدی کے آغاز میں سرمایہ دار ہندوؤں کی سود خوارانہ تباہ کاری کے خلاف ایجی ٹیشن ہوئی۔ جس میں مولانا ظفر علی خان کے والد محترم مولوی سراج الدین احمد نے بھی حصہ لیا اور ہفتہ وار "زمیندار" جاری کیا۔ چودھری شہاب الدین نے پنجابی زبان میں ایک نظم "ہاڑا" لکھی جو دیہات میں بے حد مقبول ہوئی۔ اور "پگڑی سنبھال اوجٹا" بھی بچے بچے کی زبان پر رواں تھی۔ ایجی ٹیشن کامیاب ہوئی اور قانون امتناع انتقال اراضی نافذ کیا گیا۔ جس کے رو سے غیر زراعت پیشہ لوگ زراعت پیشہ لوگوں کی زمین پر قبضہ کرنے سے محروم کر دیئے گئے۔

ڈاکٹر اقبال کی پھبتیاں

چودھری صاحب سے میری پہلی ملاقات اس زمانے میں ہوئی جب میں "زمیندار" کا ایڈیٹر تھا۔ چودھری صاحب پنجابی زبان کے بڑے رسیا۔ اور خود بھی شاعر تھے

www.taemeernews.com

چنانچہ انہی دنوں انہوں نے دوسری نظموں کے علاوہ مسدس حالی" کا پنجابی نظم میں ترجمہ کیا جو چھپ کر شائع ہو چکا ہے اور پنجاب کے دیہاتیوں پر اس کا اثر اصل "مسدس حالی" سے کم نہیں ہوتا۔ وکالت کے دوران میں اپنے ہم پیشہ لوگوں کے ساتھ چودھری صاحب کے روابط بہت مخلصانہ تھے۔ اور ان ہی میں ڈاکٹر اقبال بھی تھے۔ جو ہمیشہ چودھری صاحب کو اپنی پھبتیوں کا نشانہ بنائے رکھتے تھے۔ خصوصاً ان کے کالے رنگ کی وجہ سے بعض پھبتیاں بے حد چسپاں ہوتی تھیں۔ مثلاً ایک دن چودھری صاحب سیاہ سوٹ پہنے سامنے آئے تو ڈاکٹر اقبال نے بے ساختہ کہا "ہائیں چودھری صاحب آج ننگے ہی آ گئے؟" بار روم میں ڈاکٹر صاحب چودھری صاحب کے متعلق لطیفے تصنیف کر کے دوستوں کو سنایا کرتے تھے۔ مثلاً ایک دفعہ کہا کہ مجھے عدالت عالیہ کے جج صاحب نے یاد فرمایا۔ میں فوراً اٹھا اور کھونٹی پر سے اپنا گاؤن اتارنے لگا کہ پہن کر جاؤں۔ دو تین دفعہ کھینچا تو گاؤن کھونٹی سے نہ اترا۔ آنکھ اٹھا کر دیکھتا ہوں تو چودھری شہاب الدین تھے۔"

نائٹ بغیر K کے

ایک دفعہ چودھری دین محمد اور انور جان (طوائف) کے درمیان مقدمہ بازی ہوئی۔ چودھری دین محمد کے وکیل چودھری شہاب الدین تھے۔ اور انور کے وکیل ڈاکٹر اقبال۔ جب جسٹس فورڈ (جج ہائی کورٹ لاہور) کے سامنے پیش ہوئے تو برآمدے ہی میں چودھری صاحب نے ڈاکٹر صاحب سے وعدہ لیا کہ کمرہ عدالت میں مزاح اور دل لگی سے باز رہیں گے۔ لیکن جب جج نے پوچھا،

www.taemeernews.com

Well ! who will Defened Anwar ? تو چودھری صاحب کی
رگِ نفتن پھڑکی۔ کہنے لگے :۔

My Lord ! Sir Knight will defend her. (مطلب
یہ تھا کہ جس طرح پرانے زمانے کے نائٹ عورتوں کی حمایت و حفاظت کیا کرتے
تھے۔ اسی طرح آج کے نائٹ (سر اقبال، انور جان کی حفاظت کریں گے)
ڈاکٹر صاحب نے فوراً کہا۔ مائی لارڈ۔ میرے اور ان کے درمیان صرف
K کا فرق ہے۔ میں K کے ساتھ نائیٹ ہوں اور یہ بغیر K کے نائیٹ ہیں (یعنی
NIGHT) یہ چودھری صاحب کے کالے رنگ پر چوٹ تھی۔ جسٹس فورڈ
بے اختیار ہنس دیئے (اس وقت تک چودھری صاحب سر نہ ہوئے تھے)
ایک دفعہ چودھری صاحب سفید کوٹ پہنے ہوئے نظر آئے۔ جو
ان کے کالے رنگ کی وجہ سے اور بھی زیادہ سفید معلوم ہوتا تھا۔ اس پر ڈاکٹر
صاحب نے پنجابی میں کہا۔ " کیاہ دے کمیت وچ کتا وڑ گیا اے "

مہتر لاہور

جب چودھری صاحب بلدیہ لاہور کے صدر منتخب ہوئے تو اپنی قابلیت
اور زوردار شخصیت کی وجہ سے بلدیہ کے کام میں نئی روح پھونک دی۔ ہندو
اور سکھ ممبر کبھی کبھی ان کو پریشان کرنے کی کوشش کرتے تھے لیکن اس قانون
دان اور بہادر صدر کے مقابلے میں ہمیشہ منہ کی کھاتے تھے۔ ان دنوں کا ذکر
ہے سر شجاع الملک مرحوم مہتر چترال لاہور آئے اور نواب ذوالفقار علی خان نے

www.taemeernews.com

اپنی کوٹھی " زرافشاں" میں انہیں استقبالیہ دیا۔ تمام معززین شہر موجود تھے۔ ڈاکٹر اقبال انہیں مہتر صاحب سے انٹروڈیوس کر رہے تھے۔ جب چودھری صاحب سامنے آئے تو ڈاکٹر صاحب نے کہا:۔

خان بہادر شہاب الدین چنانکہ جناب والا
مہتر چترال ہستند۔ ایشان مہتر لاہور می باشند"

ہر طرف ایک قہقہہ بلند ہُوا۔ مہتر صاحب کچھ نہ سمجھے۔ لیکن اہل ذوق عش عش کر اٹھے۔ ایک تو اس میں یہ اشارہ تھا کہ بلدیہ لاہور کے صدر ہیں جو لاہور میں صفائی کی ذمہ دار ہے۔ دوسرے چودھری صاحب کے کالے رنگ پر چوٹ تھی۔ چودھری صاحب پریشان ہوئے۔ لیکن کیا کہہ سکتے تھے۔ پھبتی بالکل چپک گئی تھی۔

ڈاکٹر صاحب نے ایک دفعہ ایک اور خود تصنیف لطیفہ سنایا۔ فرمانے لگے ایک دن لاہور کے بھنگیوں اور بھنگنوں نے ہڑتال کر دی۔ چودہری صاحب نے حکم دیا کہ ان سب کو ٹاؤن ہال کی گراؤنڈ میں جمع کیا جائے۔ جب سب جمع ہو گئے تو چودھری صاحب نے پنجابی زبان میں تقریر شروع کی :" بھینوتے بھراؤ"! اتنے میں ایک بھنگن کا ننھا بچہ رونے لگا۔ اس نے کہا:" ارے چپ، ارے چپ ماموں ماریں گے"۔

بلدیہ لاہور اور پھر پنجاب کی قانون ساز کونسل کے صدر کی حیثیت سے چودھری شہاب الدین اپنی حیرت انگیز قانونی قابلیت۔ غیر جانبداری اور موثر و متعدلہ شخصیت کے باعث بے حد کامیاب ہوئے" اور حقیقت یہ ہے کہ ان کے بعد ان

www.taemeernews.com

دونوں اداروں کو ویسا شاندار صدر اب تک نصیب نہیں ہوا۔ جب وہ کونسل میں "آرڈر آرڈر" پکارتے تھے تو بڑے بڑے سرکش ممبر سہم جاتے تھے۔

چودھری کالو

ایک اور لطیفہ یاد آگیا۔ پنجاب کونسل کے اجلاس میں بجٹ پر بحث ہو رہی تھی۔ یہیں پٹواریوں کی تنخواہ کا ذکر آگیا۔ سید محمد حسین شاہ قیصر گرد مدوالوں نے تقریر کرتے ہوئے کہا:۔

Patwari is the blackest rogue in the village.

یعنی پٹواری کی حیثیت گاؤں میں کھلے چور کی ہے۔ اس پر صدر مجلس چودھری صاحب گرجے: آرڈر۔ آرڈر۔ اَن پارلیمنٹری۔ یہ لفظ واپس لیجئے۔ خیر، شاہ صاحب نے لفظ واپس لے لیا۔

جب کونسل برخاست ہوئی تو ڈاکٹر محمد اقبال نے سید محمد حسین شاہ سے کہا۔ آپ نے کمال کیا۔ پٹواری کو چودھری صاحب کے منہ پر کالا چور کہہ دیا۔ حالانکہ چودھری صاحب کے والد محترم پٹواری تھے۔ ان کا نام چودھری کالو تھا اور وہ ہمارے صدر سے زیادہ کالے تھے۔ اس پر بہت قہقہے لگائے گئے۔

ہر چیز بڑی

چودھری شہاب الدین یوں تو ہر اعتبار سے بڑے آدمی تھے۔ وکالت میں بڑے۔ سیاست میں بڑے۔ دولت میں بڑے۔ میاں فضل حسین کے ہمسر [illegible]

www.taemeernews.com

سکندر حیات خاں کے بزرگ ساتھی۔ سالہا سال تک کونسل اور اسمبلی کے سپیکر بھی رہے اور ہر شخص ان کو اپنا بزرگ مانتا تھا۔ لیکن بڑائی کا ایک اور پہلو یہ تھا کہ ہر چیز بڑی ہی پسند کرتے تھے۔ کوٹھی بنوائی تو لاہور میں سب سے بڑی۔ اکتالیس کنال زمین اس کوٹھی کے ساتھ تھی۔ دلہوزی میں کوٹھی بنوائی تو اس کی ملحقہ زمین اکتالیس ایکڑ تھی۔ یعنی بیاسی بیگھے کے قریب۔ جس میں پہاڑیاں۔ گھاٹیاں۔ جنگل ندیاں۔ چشمے۔ سبھی کچھ تھا۔ اس کوٹھی کا نام "جہاں نما" تھا لیکن جب انگریزی میں لکھا جاتا تھا تو "جہنما" پڑھا جاتا تھا۔ JAHANNUMA

اس لئے میاں احمد یار خاں دولتانہ نے جو چودھری صاحب کے حریف تھے اس کو بدل کر دلنواز" کر دیا۔ ڈرائنگ روم بڑے۔ کھانے کے کمرے بڑے۔ پنکھے بڑے لاہور کی کوٹھی کے لان میں ایک بجلی کا پنکھا رکھا جاتا تھا۔ جو ایک منزل کے برابر اونچا تھا۔ اور اس کے نیچے خاصے رقبے میں اسکی ہوا محسوس ہوتی تھی۔ ٹی پارٹیوں میں کیک منگاتے تو وہ بھی دو منزلے سہ منزلے" ہوتے

غرض چودھری صاحب

کے ماحول میں ہر چیز بڑی ہوتی تھی۔ ڈاکٹر اقبال ان کی کوٹھی کو "دیو محل" کہا کرتے تھے۔ یہی کوٹھی ہے جس کو اب مہاں ممتاز دولتانہ نے ایک لاکھ روپے سے زیادہ صرف کر کے بالکل ایک نئے محل کی صورت دے دی ہے۔ پہلے اس کوٹھی کی بیرونی دیواریں اینٹوں پر ٹیپ کر کے بنائی گئی تھیں۔ کیونکہ اس زمانے میں فیشن یہی تھا۔ اب سمینٹ کا پلستر کر دیا گیا ہے۔

نہیں

www.taemeernews.com

جہاں آرا اور خدیجہ بیگم

میاں احمد یار خاں دولتانہ زمیں لڈن اور ان کے صاحبزادے ممتاز محمد خاں دولتانہ کو بے حد عزیز رکھتے تھے اور اپنی وسیع جائداد کا وارث بھی ممتاز ہی کو قرار دیا تھا۔ کیونکہ خود چودھری صاحب کے ہاں عمر بھر اولاد نہ ہوئی تھی۔ آخر عمر میں دو ماہ کے لئے وزیر تعلیم بھی ہو گئے تھے۔ اس زمانے میں چونکہ آئندہ انتخابات کے لئے تیاریاں ہو رہی تھیں اس لئے بیگم شاہنواز بھی عورتوں میں اپنا پروپیگنڈا کر رہی تھیں۔ ڈاکٹر خدیجہ بیگم فیروز الدین ایم اے ڈی لٹ مدارس نسوانی کی ڈپٹی ڈائرکٹرس تھیں۔ چونکہ اپنی لیاقت، نیکی اور اسلامیت کی وجہ سے عورتوں کے طبقے میں بہت مقبول تھیں اور یونینسٹوں کو شہری لوگ کچھ اچھا نہ سمجھتے تھے۔ اس لئے بیگم شاہ نواز کو احساس ہوتا تھا کہ شاید بعض علاقوں میں انہیں ووٹ ملنے میں دقت ہو۔ چودھری صاحب جانتے تھے کہ ڈاکٹر خدیجہ بیگم میری برادری سے تعلق رکھتی ہیں۔ ایک دن مجھ سے کہنے لگے "وہ اپنی بہن خدیجہ کو ذرا سمجھا دیجئے۔ اس نے جہاں آرا کو تنگ کر رکھا ہے۔ اگر وہ باز نہ آئیں تو میں معطل کر کے تحقیقاتی کمیٹی بٹھا دوں گا۔" میں یہ سن کر بپھر گیا۔ میں نے کہا چودھری صاحب! خدیجہ بیگم سرکاری ملازم ہیں آپ جو چاہیں ان سے سلوک کر سکتے ہیں لیکن جس طرح میاں محمد شفیع آپ کے دوست تھے اسی طرح ڈاکٹر فیروز الدین بھی آپ سے واسطہ رکھتے تھے۔ ایک بھتیجی کی خاطر دوسری بھتیجی کو نقصان پہنچانا کہاں تک روا ہے۔ بڑی دونوں آپ کی بچیاں ہیں۔ دونوں کو بلائیے اور معاملات کو ہموار کرا دیجئے۔ خدیجہ بیگم کو

www.taemeernews.com

دوران ملازمت میں الیکشنوں وغیرہ سے کوئی سروکار نہیں ہو سکتا۔ یونہی کسی نے آپ کو غلط اطلاع دی ہے۔ یہ سن کر چودھری صاحب نرم پڑ گئے اور کہنے لگے بہرحال آپ خدیجہ کو ضرور سمجھا دیجئے گا۔

جب چودھری صاحب جدید اسمبلی کے صدر منتخب ہوئے تو صحت کے انحطاط کا دور شروع ہو گیا تھا۔ بینائی کمزور ہو رہی تھی اور قویٰ بھی جواب دے رہے تھے۔ لیکن آواز کا کرّوفر کا بدستور تھا۔ جب اسمبلی ہال کی کرسی صدارت کے اوپر ان کی سہولت کی خاطر مزید روشنی کے انتظام کے لئے بڑا بلب لگایا گیا تو چودھری چھوٹو رام نے بے ساختہ پھبتی کہی۔ "چراغ تلے اندھیرا" جس کی داد چودھری صاحب نے بھی دی۔

بہترین سپیکر

چودھری شہاب الدین پنجاب کے دوسرے اکابر سیاست کے مقابلے میں کسی اعتبار سے کم نہ تھے اور بلا شبہ میاں فضل حسین کے انتقال کے بعد پنجاب کی وزارت عظمیٰ پر فائز ہو سکتے تھے۔ لیکن جمہوریت کے دور میں تو اصل چیز جتھا بندی ہے جس شخص کے ساتھ اکثریت ہو وہی لیڈر اور وزیر بن سکتا ہے اور چودھری صاحب کے جوڑ توڑ کچھ ایسے واضح طور پر عیارانہ ہوتے تھے کہ لوگوں کو ان کے متعلق سوء ظن پیدا ہو جاتا تھا اور دوسرے زیادہ ذی ہنر حریف بازی لے جاتے تھے۔ ورنہ جس طرح وہ سالہا سال تک سپیکر شپ کو نہایت شان سے نباہتے رہے اسی طرح وزارت کو بھی چار چاند لگا دیتے لیکن اس میں بھی کوئی شبہ نہیں

www.taemeernews.com

کہ سپیکرشپ کرنا انہی کا حق تھا۔ وہ سب ارباب سیاست کے نزدیک بزرگ ۔ اور واجب الاحترام تھے۔ ان کے فیصلوں سے کوئی سرتابی کی جرأت نہ کرسکتا تھا۔ اور وہ فیصلے بھی نہایت پختہ۔ مدلل اور قانونی ہوتے تھے ۔

چودھری صاحب نے انگریزی۔ اردو اور فارسی کتابوں کا ایک خاصا ذخیرہ فراہم کر رکھا تھا۔ جو ان کی کوٹھی کی بالائی منزل میں نہایت ترتیب سے محفوظ کیا گیا تھا۔ یہ کتب خانہ چودھری صاحب کی وصیت کے مطابق پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں منتقل کردیا گیا اور وہیں موجود ہے۔ آخری ایام میں چودھری صاحب کی علالت زیادہ تشویشناک ہوگئی اور بعض عوارض دماغی لاحق ہوگئے۔ وہ "المتاز" کو چھوڑ کر چودھری نذیر حسین صاحب کی کوٹھی میں منتقل ہوگئے۔ جہاں ان کے خیال کے مطابق انہیں زیادہ آرام مل سکتا تھا۔ میں اور مہر صاحب ان کی عیادت کو گئے تو انہوں نے بمشکل ہمیں آدھے لمحے کے لئے ہم کو پہچانا۔ اس کے بعد رونے لگے اور کہنے لگے۔ ابھی سکندر حیات خاں اور چھوٹو رام مجھ سے ملنے آئے تھے حالانکہ وہ دونوں فوت ہوچکے تھے۔ غرض اس قسم کی بے سروپا باتیں کرتے رہے۔ تیسرے چوتھے روز انتقال ہوگیا۔ اللہ مغفرت کرے ۔

---

www.taemeernews.com

آغا حشر

آغا محمد شاہ حشر کاشمیری نے جب اپنے گھر کی فضا کو اپنے فنی رجحانات کے خلاف پایا تو بھاگ کر بمبئی پہنچ گئے۔ اور تھیٹر کی دنیا میں اپنے لئے گنجائش پیدا کرنے کی کوشش شروع کر دی۔ اس وقت حسن اتفاق سے چند اور ذہین و طباع نوجوان بھی بمبئی میں موجود تھے۔ چنانچہ آغا حشر، مولانا ابوالکلام آزاد۔ اور ان کے بھائی ابوالنصر غلام یاسین آہ۔ نظیر حسن سخا اور ایک آدھ اور صاحب کی ایک "منڈلی" قائم ہو گئی۔ چند روز مولانا ظفر علی خاں بھی ان میں شامل رہے لیکن جلد ہی کسی کاروبار کے سلسلے میں سوماٹرا لینڈ چلے گئے۔ چونکہ یہ لوگ تلاش روزگار کے سوا اور کوئی مشغلہ نہ رکھتے تھے۔ اس لئے انہوں نے کوئی شغل اختیار کرنیکی

www.taemeernews.com

کوشش کی۔ اس زمانے میں کوئی سیاسی پلیٹ فارم موجود ہی نہ تھا۔ مذہبی مناظروں کا زمانہ تھا اور لوگ آریوں اور عیسائیوں کے ساتھ مسلمانوں کے مباحثوں میں بڑے ذوق شوق سے شریک ہوا کرتے تھے۔ ان حضرات نے بھی مناظرے کا ایک پلیٹ فارم قائم کر لیا۔ اور ایک انجمن نصرت الاسلام کی بنیاد رکھی جس کے آرگن کی حیثیت سے ایک ماہانہ رسالہ "البلاغ" کے نام سے جاری کر دیا۔ میں نے اس رسالے کے ایک دو پرچے آغا حشر کے پاس دیکھے۔ اس کے مضامین زیادہ تر دینی اور مناظرانہ ہوتے تھے۔ اور مولانا ابوالکلام اس کو مرتب کرتے تھے لیکن چونکہ ان سب دوستوں کی زندگیوں کا مستقبل غیر یقینی تھا۔ اس لئے بے نقاب ہو کر کسی انجمن یا رسالے سے اپنا تعلق قائم نہ کرنا چاہتے تھے۔ اس مشکل کو حل کرنے کی یہ تدبیر کی گئی کہ مسمی کالے خاں جو ان کا خدمت گار تھا اور بالکل ان پڑھ اور کندہ ناتراش واقع ہوا تھا۔ نام نہاد طور پر انجمن کا سیکرٹری اور رسالے کا ایڈیٹر بنا دیا گیا اور اس کا نام مولوی عبدالرؤف خاں تجویز ہوا۔ اب گھر پر تو وہی کالے خاں چلتا تھا۔ "کالے خاں پانی پلاؤ۔ کالے خاں چلم بھرو۔ ابے کالے خاں ادھر آ کمبخت کیا کر رہا ہے۔" لیکن لوگوں کے سامنے اس کو مولوی عبدالرؤف خاں صاحب اور سیکرٹری صاحب اور ایڈیٹر صاحب کہہ کر مخاطب کیا جاتا تھا۔

بمبئی کی مجالس مناظرہ

ہر دوسرے تیسرے دن یہ لوگ کسی نہ کسی پادری یا آریہ سماجی پر چاروں کو پکڑ لاتے اور جلسہ عام میں مناظرہ کر کے اس کا قیمہ کر ڈالتے۔ یہاں تک کہ رام چندر

www.taemeernews.com

دہلوی اور پادری طالب الدین جیسے پرانے گھاگ بھی ان کے پنجے میں گرفتار ہونے مولانا ابوالکلام اور مولانا ابوالنصر کا علم وفضل۔ نظیر حسن سخا کی فی البدیہہ شاعری اور آغا حشر کے زور خطابت اور ضلع جگت اور پھبتی میں مہارت غرض اس حربہ مناظرہ کے لئے پورا اسلحہ خانہ موجود تھا جس کا مقابلہ کسی عیسائی یا آریہ کے بس کا روگ نہ تھا۔ ہزاروں لوگ ان جلسوں میں شریک ہوتے تھے۔ اور ان مناظرین اسلام کی تقریروں پر جوش و خروش کا اظہار کرتے تھے۔

لیکن مناظرے کا شغل معاشی اعتبار سے ان لوگوں کے لئے کوئی معتدبہ روزگار تو درکنار قوت لایموت بھی مہیا نہ کر سکتا تھا اور ہر وقت یہی اندیشہ رہتا تھا کہ عنقریب یہ محفل درہم برہم ہونے والی ہے۔ چنانچہ چند ہی مہینے میں یہ حالت بھی پیش آگئی۔ آغا حشر کو نیو الفریڈ تھیٹریکل کمپنی میں ڈراما نویس کی اسامی مل گئی۔ مولانا ابوالکلام اور ان کے بھائی اپنے والد محترم کے انتقال کی وجہ سے کلکتہ چلے گئے۔ نظیر حسن سخا بیمار ہو کر اپنے وطن چلے آئے اور یہ مجلس ختم ہو گئی۔

آغا صاحب ڈراما کی دنیا میں

آغا حشر نے نئی ملازمت پر فائز ہوتے ہی ڈراما کی دنیا کو اپنی غیر معمولی قابلیت وصلاحیت کا احساس کرا دیا۔ اور سب سے پہلے "مریدشک" لکھ کر ڈراما میں ایک نیا راستہ پیدا کر دیا۔ آغا صاحب سے پہلے اگرچہ احسن۔ بنیاب اور طالب بنارسی کا طوطی بولتا تھا لیکن ان کی نظم و نثر میں وہ شان و شوکت۔ وہ پاکیزگی اور وہ قوت بالکل مفقود تھی جو حشر کی تحریرات میں نمایاں تھی۔ کچھ تو آغا کے اسلوب میں

www.taemeernews.com

ان کی طبعی شور انگیزی اور زور آزمائی کا اثر تھا اور کچھ خطابت و مناظرہ کے مشاغل نے انہیں ایسے فقرے چست کرنے کی صلاحیت بخش دی تھی جنہیں عوام بے حد پسند کرتے تھے اور پیہم داد و تحسین کے دونگڑے برساتے تھے۔ بمبئی میں آغا حشر نے پے در پے کوئی چھ سات ڈرامے لکھے جو بے حد کامیاب ہوئے۔ اور تھیٹر کی دنیا آغا حشر کے نام سے گونجنے لگی۔ دوسرے ڈراما نگاروں نے آغا کو ناکام رکھنے کی بے حد کوشش کی۔ لیکن "عصر حشر" شروع ہو چکا تھا اور دنیا کی کوئی طاقت اس "عصر" کی رفتار کو روک نہ سکتی تھی۔

آغا صاحب نے متعدد دوسری کمپنیوں کیلئے بھی ڈرامے لکھے جن میں بہت سے شیکسپیئر سے ماخوذ تھے۔ آغا صاحب انگریزی نہ جانتے تھے لیکن بعض احباب سے شیکسپیئر کے ڈراموں کا مقصد و مفاد سمجھ کر نوٹ لکھ لیتے تھے اور پھر اس "پنجر" پر گوشت پوست چڑھا کر اردو کا ایک غیر فانی شاہکار بنا دیتے تھے۔ بعض لوگ "ماخوذ" ڈراموں پر ناک بھوں چڑھاتے ہیں لیکن اس سے آغا کی عظمت پر کوئی حرف نہیں آتا۔ ان کا اسلوب تحریر شیکسپیئر سے بالکل الگ اور ہندوستان اور اردو کی روح ادب کے مطابق تھا۔ علاوہ بریں خود شیکسپیئر کے اکثر ڈراموں کے پلاٹ بھی طبعزاد نہیں ہیں۔ بلکہ ان قصوں کہانیوں پر مبنی ہیں جو شیکسپیئر کے زمانے میں زبان زد عام تھیں اور جن کو شیکسپیئر سے قبل بھی بعض مصنفین لکھ چکے تھے۔

آغا کا درجہ

اس مختصر مضمون میں مجھے آغا حشر کے فن پر کچھ عرض کرنا مقصود نہیں ہے

www.taemeernews.com

اس لئے کہ اس پر لکھنے کے لئے بعض دوسرے احباب بہتر صلاحیت رکھتے ہیں مجھے تو صرف یہ عرض کرنا ہے کہ آغا حشر حقیقت میں ایک "نابغہ" تھے جنہوں نے حالات کی نامساعدت اور ملک کے پست معیار کے باوجود نثر، شعر، خطابت اور ڈراما میں بہت ہی بلند مقام حاصل کیا۔ زمانہ کتنی ہی کروٹیں بدل جائے، ادب کی اقدار میں کتنا ہی تغیر پیدا ہو جائے۔ ڈراما زندہ رہے یا مر جائے یا دوبارہ زندگی حاصل کر لے۔ ہمارے ادب اور ڈراما کی تاریخ میں آغا حشر کا دور ہمیشہ نقادوں کے لئے توجہ اور احترام کا مرکز رہے گا۔ اس باکمال شخص نے بیس پچیس سال تک ڈراما کی دنیا میں اس زور و تحدی کے ساتھ اپنا سکہ چلایا ہے کہ اس دوران میں اس کے سامنے بڑے بڑوں کے چراغ نہ جل سکے اور کوئی دوسرا ڈراما نویس وہ بات پیدا نہ کر سکا جو حشر سے مخصوص تھی۔

پہلی ملاقات

آغا حشر سے میری پہلی ملاقات ۱۹۱۶ء میں ہوئی جب وہ لاہور میں مقیم تھے اور ڈراما کی دنیا میں کساد بازاری کے باعث بے روزگاری سے دوچار ہو رہے تھے اہلیہ کی علالت اور اس کے بعد وفات نے بھی ان کو بہت افسردہ و دل مردہ کر رکھا تھا۔ انہوں نے اپنے ڈراموں سے ہزارہا روپیہ کمایا لیکن طبیعت سخی اور کھلنڈ پائی تھی۔ اپنے متعلقین کی اعانت دریا دلی سے کرتے تھے۔ دوستوں کو کھلا پلا کر اور عیش کرا کر خوش ہوتے تھے۔ نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ اکثر اوقات تنگ ہو جاتا تھا۔ اس زمانے میں بھی یہی کیفیت تھی۔ حکیم فقیر محمد چشتی نظامی ان کے جانی

www.taemeernews.com

دجگری دوست تھے۔ انہی کے ہاں مجھے نیاز حاصل ہُوا۔ چند روز حکیم احمد شجاع کے گھر مقیم رہنے کے بعد آغا صاحب نے بازار جج محمد لطیف (متصل ٹبی) میں ایک بڑا مکان کرائے پر لے لیا جس میں آٹھ دس بڑے بڑے کمرے تھے لیکن دو سب خالی خولی بھائیں بھائیں کر رہے تھے۔ صرف ایک باورچی خانہ آباد تھا۔ جس میں آغا صاحب کا کھانا پکتا تھا اور وہ خود ایک چھوٹے سے گلیارے میں زندگی بسر کرتے تھے۔ فرش پر ایک دری بچھی تھی جس پر ایک صندوقچی تھی۔ کچھ اخبار اور چند کتابیں پڑی رہتی تھیں اور ایک کونے میں تکیہ لگائے نرمے کا زنگین تہمد باندھے اور کشمیری دُھسہ اوڑھے آغا حشر منمکن رہا کرتے تھے۔ میں اس زمانے میں "پھول" اور "تہذیب نسواں" کا ایڈیٹر تھا، پانچ بجے اپنے کام کاج سے فارغ ہو کر سیدھا آغا صاحب کے ہاں چلا جاتا اور تین چار گھنٹے خوب پر لطف صحبت رہتی۔ حکیم فقیر محمد اکثر تشریف لے آتے اور مولانا تاجور بھی کبھی کبھی آغا صاحب سے ملنے آجاتے۔ وہیں ایک دن حکیم احمد شجاع صاحب سے بھی ملاقات ہوئی۔ ان دنوں ابھی حکیم صاحب کی مسیں بھیگی تھیں۔ سرخ و سفید، خوبصورت اور شوخ و طناز نوجوان تھے۔ اور سچ یہ ہے کہ خوب تھے۔

مشاعرہ بزم احباب

میری عمر اس زمانے میں اکیس بائیس سال کی ہو گی۔ ادبی زندگی کا آغاز تھا۔ نظمیں اور غزلیں لکھتا تھا اور "بزم اردو" کے شاندار مشاعروں میں پڑھتا تھا۔ انہی دنوں حکیم مرزا عبداللہ صاحب نے "بزم احباب" کے نام سے ایک نیا مشاعرہ قائم کیا۔

www.taemeernews.com

جس کے چند اجلاس تو شاہ عالمی دروازے کے اندر ہوئے اس کے بعد چونکہ یہ مشاعرہ روز بروز مقبول عام ہو رہا تھا اور اندرون شاہ عالمی دروازہ کی جگہ کثرتِ حاضرین کی متحمل نہ ہو رہی تھی۔ اس لئے اس کی مجلسیں باغ بیرون موچی دروازہ میں منتقل کر دی گئیں۔ اب بزم کا ایک مشاعرہ آغا حشر کی صدارت میں ہوا۔ وہ سماں اب تک آنکھوں کے سامنے پھرتا ہے۔ گرمی کا موسم تھا۔ رات کا وقت۔ آغا صاحب سرخ و سفید وجیہ و شکیل آدمی۔ سفید انگرکھا۔ سفید کرتہ اور سفید پاجامہ پہنے بقول حکیم فقیر محمد "کھانڈ کے کھلونے" بنے بیٹھے تھے۔ اپنے مخصوص انداز میں شعراء کو طلب کرتے اور ان کے اچھے اشعار پر داد دیتے۔ آغا حشر کی وجہ سے ان دنوں حکیم فقیر محمد نے بھی غزل گوئی کا شغل اختیار کر لیا تھا لیکن مشاعروں میں پڑھنے سے گھبراتے تھے اکثر ان کی غزل پڑھنے کا شرف مجھے حاصل ہوتا تھا اور وہ خود مشاعرے کے عقب میں گندے نالے کے قریب ٹہل ٹہل کر سنتے رہتے تھے۔ آغا حشر کا کلام نہایت پاکیزہ اور عاشقانہ جذبات سے شور بور ہوتا تھا اور میرا ان کے پڑھنے کا انداز! دو مصرعے پڑھ کر سارے مشاعرے پر چھا جاتے۔ نقادوں اور سخن فہموں کو سوچنے اور تامل کرنے کا موقع ہی نہ دیتے۔ اور ایسا سماں پیدا کر دیتے کہ خود بخود ہی سب کے سر ہل جاتے اور واہ کے سوا اور کوئی اثر مشاعرے بھر میں نظر نہ آتا۔

دوستوں سے ان کی محبت انتہائی خلوص اور بے تکلفی کی سرمایہ دار تھی جس نوجوان دوست میں کوئی اہلیت دیکھتے اس کو سینے سے لگا لیتے اور اس قدر حوصلہ افزائی کرتے کہ اس کا کلیجا اتنا بھر کا ہو جاتا جب ان کے بعض اشعار پر داد دیتے تو صاف کہہ دیتے کہ "میاں ہم یونہی فرمائشی داد نہیں دیا کرتے۔ ہم تو صرف ایسے

www.taemeernews.com

شعر پر داد دیتے ہیں جس سے خود مرعوب ہو جائیں۔

پانچ ہزار کا چیک

انہی دنوں ایک دن سیٹھ سہراب جی کا آدمی کلکتہ سے آیا اور پانچ ہزار کا چیک ساتھ لایا۔ آغا صاحب ان دنوں ایک ڈراما "جرمِ نظر" یا "آنکھ کا گناہ" لکھ رہے تھے۔ سیٹھ نے کہلا بھیجا کہ یہ پانچ ہزار حاضر ہے۔ اس کے علاوہ آپ جو کچھ فرمائیں گے پیش کر دیا جائے گا۔ اب ڈراما ہمارا ہو گیا۔ آغا نے آدمی کو مطمئن کر کے واپس بھیج دیا۔ جب میں شام کو پہنچا تو بہت خوش تھے اور حسبِ عادت بڑی اونچی تعلّیاں بگھار رہے تھے: "آغا حشر ڈرامے کا خدا ہے۔ آغا حشر کا مقابلہ ہندوستان بھر کے ڈرامہ نگار مل کر بھی نہیں کر سکتے۔ آغا حشر انڈیا کا شیکسپیئر ہے!"

میری شوخی کی رگ پھڑکی۔ میں نے برجستہ کہا: "جیسا تھرڈ کلاس انڈیا ہے ویسا ہی اس کا شیکسپیئر ہو گا۔" اس پر بہت بھنّائے۔ میرے ساتھ گالی گلوچ کا لین دین نہ تھا۔ اس لئے بہت بے چین ہوئے۔ گالیاں زبان پر آتی تھیں لیکن رک جاتی تھیں۔ آخر کہنے لگے: "جانتے ہو پانچ ہزار روپے کتنے ہوتے ہیں؟" میں نے کہا: "جی ہاں۔ سنا ہے پانچ ہزار کی چھاؤں میں کُتا بیٹھتا ہے۔" بے اختیار ہنس پڑے اور کہنے لگے۔ "مسخرے پن سے باز نہیں آتے۔" میں نے کہا: "ارشاد فرمائیے۔ آپ کیا کہنا چاہتے ہیں۔" بتایا کہ سہراب جی کا آدمی ابھی پانچ ہزار کا چیک دے گیا ہے میں نے کہا "تو خدا کا شکر ادا کیجیے۔ یہ تو انکسار کا موقع ہے۔ تعلّی کا مقام نہیں۔" لیکن حشر کی تعلّی تو ایک لاعلاج مرض تھی۔ پھر بدستور ہنکارنے لگے ۔ جب

www.taemeernews.com

میں نے انہیں بتایا کہ یہ چیک کلکتہ کے بنک کا ہے اور اس کا روپیہ پندرہ روز سے پیشتر آپ کو نہیں مل سکتا تو طبیعت اعتدال پر آگئی کہنے لگے خیر پندرہ دن اور سہی۔ آخر اتنے مہینے افلاس ہی میں بسر کئے ہیں۔

عیاشی

اس کے بعد کہنے لگے۔ چلو آج کہیں چل کر عیاشی کریں۔ میں نے کہا۔ چلو لیکن عیاشی کے لئے تو چہرہ شاہی درکار ہے۔ یہ چیک تو کام نہیں دے گا۔ کہنے لگے۔ چلو تو سہی۔ خیر۔ گھر سے پیدل نکلے۔ وہاں سے لوہاری دروازے گئے۔ اب ذرا "عیاشی" ملاحظہ ہو۔ لوہاری دروازے کے باہر جہاں آجکل فضل کا اخبار دل کا شال ہے۔ ایک شخص "پروفیسر" معراج الدین نے ایک "پیسہ کمپنی" قائم کر رکھی تھی۔ جہاں کچھ "جوکر" مسخرا پن کرتے تھے۔ کچھ بھان متی کے کھیل دکھائے جاتے تھے۔ اور کبھی کبھی کسی فلم کا کوئی ٹوٹا پھوٹا حصہ بھی دکھا دیا جاتا تھا۔ جب ہم وہاں پہنچے اور معراج الدین نے آغا صاحب کی صورت دیکھی تو مارے خوشی اور فخر کے کانپنے لگا۔ اور ہمیں بڑی خاطر مدارات سے پنڈال کے اندر لے گیا۔ لیمنیڈ وغیرہ سے تواضع کی۔ دس پندرہ منٹ بیٹھنے کے بعد آغا صاحب گھبرا گئے۔ اور مجھ سے کہنے لگے "سالک صاحب۔ گولی مارو۔ یار اس کمپنی کو" میں نے کہا۔ ضرور مارو مجھے پورا اتفاق ہے۔ خیر وہاں سے اٹھ کھڑے ہوئے باہر نکلے تو گنڈیریوں اور مونگ پھلی کی فرمائش کی۔ انارکلی بازار میں دونوں چیزیں مل گئیں۔ میں نے اپنے کوٹ کی دونوں جیبیں بھر لیں۔ اور آغا صاحب میرے ساتھ ساتھ

www.taemeernews.com

چلنے لگے کبھی میرے دائیں طرف ہو جاتے کبھی بائیں طرف۔ اور میری جیبوں میں ہاتھ ڈال ڈال کر پیسے دو پیسے مونگ پھلی اور گنڈیریاں نکال کر کھاتے رہے یہاں سے چلتے چلتے میکلوڈ روڈ پر پہنچے۔ یہاں ایک ہی سینما تھا۔ "ایمپرس" جو آج کل قیصر سینما ہے۔ اس میں بڑے لمبے لمبے سیریل دکھائے جاتے تھے۔ وہاں جا بیٹھے۔ ایک آدھ گھنٹہ بیٹھنے کے بعد پھر وہی ارشاد ہوا۔ "بابا سالک گولی مارو۔" ہم نے بھی کہا "مارو" چنانچہ اٹھے۔ باہر نکلے۔ عیاشی ختم ہو چکی تھی۔ رات کے بارہ بجے ہیں آغا صاحب کو پہنچانے کے لئے بازار حکیم محمد لطیف تک گیا۔ وہاں پہنچکر مصر ہو گئے کہ اب میں آپ کو گوالمنڈی پہنچانے جاؤں گا۔ میں نے کہا آپ کیا غضب کرتے ہیں۔ یوں تو رات اسی آوارہ گردی ہی میں ختم ہو جائے گی۔ لیکن وہ میرے ساتھ چل دیئے آخر بھاٹی دروازے کے باہر میں نے بے حد منت سماجت کی ہاتھ جوڑے اور انہیں واپس بھیجا۔

موجِ زمزم

انہی دنوں کا ذکر ہے حاجی شمس الدین مرحوم سیکرٹری انجمن حمایت اسلام نے فرمایا کہ حشر آپ کے دوست ہیں۔ ان سے کہیئے انجمن کا سالانہ جلسہ ہونے والا ہے، اس کے لئے نظم لکھیں۔ اس سے پہلے آغا کی ایک نظم "شکریہ یورپ" بے حد کامیاب اور مقبول ہو چکی تھی۔ میں نے آغا صاحب سے فرمائش کی کہ انجمن کے لئے نظم لکھیئے۔ پہلے تو انکار کرتے رہے۔ آخر یہ قرار پایا کہ نظم کا موضوع بھی میں تجویز کر دوں اور ہر بند کے لئے مصرع طرح بھی بتاؤں۔ میں نے ہنس کر

www.taemeernews.com

کہا نظم ہی کیوں نہ لکھدوں ؟ آخر میں نے سب احکام کی تعمیل کی، ہر روز شام کو میں جاتا تو مجھے ایک بند کے اشعار سناتے اور مجبور کرتے کہ ان پر سخت نکتہ چینی کرو۔ خیر پانچ سات روز میں نظم مکمل ہوگئی اور "موجِ زمزم" عنوان قرار پایا۔ وہ بہتیرا کہتے رہے کہ ابھی اس کے بعض اشعار کو "پالش" کرنا ہے لیکن میں نظم لیکر بھاگا۔ اور چوک متی پہنچکر منشی فضل الٰہی مرغوب رقم کے حوالے کردیا جو علامہ اقبال اور حسرت کی نظموں کے مستقل کاتب تھے۔ میں نے مرغوب رقم سے کہہ دیا کہ اگر آغا صاحب اس نظم کو دیکھنے کے لئے طلب کریں تو ہرگز نہ دیجئے گا۔ دوسرے ہی دن آغا صاحب نے ایک آدمی ان کے پاس بھیجا کہ ذرا وہ نظم دے دیجئے بعض مصرعے بدلنے ہیں لیکن انہوں نے ٹکا سا جواب دے دیا کہ صاحب، ہاتھ کو ہاتھ پہچانتا ہے۔ نہ میں نے نظم آپ سے لی۔ نہ آپ کو دوں گا۔ سالک صاحب سے کہیئے، وہ کہہ دیں گے تو بھیجدوں گا۔ آغا صاحب پیچ و تاب کھا کر اور مجھے برا بھلا کہہ کر چپ ہو گئے۔

مختار بیگم

چند روز کے بعد آغا صاحب کلکتہ چلے گئے اور میڈن تھیٹر میں انہیں دو ہزار روپے ماہانہ کی ملازمت مل گئی وہیں ملکہ موسیقی "مختار بیگم عرف وارثی" سے تعلق پیدا ہوا۔ اور وہ تعلق تا دم مرگ رہا۔ اس لئے کہ مختار بیگم بھی آغا صاحب کی طرح اپنے فن کی بے نظیر ماہرہ تھیں اور مزاج شناسی کی اہلیت بھی بدرجۂ اتم رکھتی تھیں۔

www.taemeernews.com

سنہ ۱۹۳۴ء کے اواخر میں آغا صاحب بیمار ہو کر لاہور آئے۔ چند روز حکیم فقیر محمد چشتی کے ہاں قیام کیا۔ علاج ہوتا رہا۔ لیکن عارضی سا افاقہ ہوا۔ اس زمانے میں "حشر بچرز" کی بنیاد رکھی اور ایک ڈراما بھیشم لکھا۔ ریس کورس روڈ پر سنٹرل جیل کے پاس ایک کوٹھی کرائے پر لی اور وہاں بھیشم کی "کاسٹ" مرتب ہوئی۔ ابھی یہ تیاریاں جاری تھیں کہ پیغام اجل آن پہنچا اور ۲۸ اپریل سنہ ۱۹۳۵ء کو اردو ڈراما کا یہ آفتاب عالم تاب غروب ہو گیا۔ چند مخلص دوستوں نے جنازے کو کندھا دیا۔ اور چپ چاپ اول منزل چھوڑ آئے۔ رہے نام اللہ کا۔

www.taemeernews.com

مولانا حسرت موہانی

میں نے مولانا حسرت موہانی کا نام اور ان کے حالات پہلے پہل اس وقت سنے۔ جب میری عمر چودہ سال کی تھی۔ یہ ۱۹۰۹ء کا ذکر ہے۔ مولانا نے علی گڑھ کالج سے بی۔ اے پاس کرنے کے بعد ایک ایسے پُرخطر راستے پر قدم رکھا۔ جس کا تصور بھی اس زمانے کے کسی تعلیم یافتہ نوجوان کے متعلق نہ کیا جا سکتا تھا۔ وہ نہایت آسانی سے ڈپٹی کلکٹر بن سکتے تھے۔ کوئی اور بڑا عہدہ حاصل کر سکتے تھے۔ کسی ریاست کے وزیر مقرر ہو سکتے تھے۔ لیکن حریت کیش حسرت نے آزادیٔ ہند کا سپاہی بننا پسند کیا۔ اور بی۔ اے کرنے کے بعد سودیشی کپڑے کی دوکان کھول لی۔ ہمارے زمانے میں تو ادب و سیاست متضاد چیزیں ہیں جو ادیب سیاست

www.taemeernews.com

یا صحافت میں پڑ جاتا ہے وہ ادب و شعر سے کالکل بے تعلق ہو جاتا ہے۔ لیکن حسرت نے بیک وقت سیاسی صحافت اور تغزل دونوں سے اپنا رشتہ استوار کیا۔ اور اس "دو عملی" زندگی کو آخر تک نباہ دیا۔ آپ نے ۱۹۰۳ء میں ایک ماہانہ رسالہ "اردوے معلّٰے" جاری کیا جس میں شعر و ادب کے علاوہ سیاسی مقالات بھی درج ہوتے تھے۔ اور وہ سیاست بھی گوکھلے اور وقار الملک کی سیاست نہ تھی۔ بلکہ تلک کی تخریبی اور ہنگامہ پرور سیاست تھی جس کا راستہ کانٹوں سے پٹا پڑا تھا۔ چنانچہ اردوے معلّٰے کے ایک مضمون کی بنا پر حسرت کے خلاف مقدمہ دائر ہوا اور آپ دو سال کے لئے جیل بھیج دیئے گئے۔ جہاں آپ نے انتہائی مشقت اور تکلیف کا زمانہ بسر کیا۔ سال بھر تک مسلسل چکی پیستے رہے۔ حالانکہ عام اخلاقی قیدیوں کو بھی چند ہفتے سے زیادہ چکی کی مشقت نہیں دی جاتی۔ اس زمانے میں سیاسی کارکنوں سے عوام کی ہمدردی شرمندہ اظہار نہ ہو سکتی تھی۔ حکومت انگریزی کے جاہ و جلال کا آفتاب پوری شدت و حدت سے روشن تھا اور چند سر پھروں کے سوا کوئی سیاست کا نام بھی نہ لیتا تھا۔

ادبی و سیاسی مصروفیتیں

جس زمانے میں میں نے اردوے معلّٰے پڑھنا شروع کیا۔ اس میں اردو شعرا کے تذکرے ان کے تلمذ کے سلسلے۔ قدیم و جدید شعرا کی غزلیں اور حسرت کے نتائج فکر باقاعدہ شائع ہوتے تھے۔ اور ان کے ساتھ ساتھ ملکی سیاست پر گرما گرم مضامین بھی درج کئے جاتے تھے۔ "حسرت نے" مشاہدات زنداں" کے عنوان سے

www.taemeernews.com

اپنی اسیری کے حالات مرتب کئے تھے جو بالاقساط اردوئے معلّٰی میں درج ہوئے تھے اور مولانا کے یہ شعر ملک بھر میں زبان زد عام تھے ؎

ہے مشق سخن جاری چکی کی مشقت بھی
اک طرفہ تماشا ہے حسرتؔ کی طبیعت بھی

کٹ گیا قید میں ماہ رمضان بھی حسرتؔ
گرچہ سامان سحر کا نہ تھا نہ افطاری کا

ان مشاغل کے ساتھ ہی ساتھ مولانا "نکات سخن" کے عنوان سے فن شعر کے متعلق ضروری قواعد، عیوب و محاسن اور متروکات بھی قلمبند کر رہے تھے اور پرانے شعرا کے دیوانوں کے انتخابات بھی شائع کر رہے تھے۔

میاں بیوی ایک سانچے میں

مولانا سے بالمشافہ نیاز دسمبر ۱۹۱۹ء میں حاصل ہوا۔ جب وہ امرتسر کے سیاسی اجتماعات کے سلسلے میں اسلامیہ ہائی سکول امرتسر کی دوسری منزل پر دوسرے سیاسی کارکنوں کی معیت میں مقیم تھے۔ اور محترمہ نشاط النسا بیگم حسرت بھی ان کے ہمراہ تھیں۔ مولانا کی غزلیں پڑھ پڑھ کر ان کی شکل صورت کے متعلق جو دلکش تصور قائم تھا۔ وہ انہیں دیکھ کر بالکل کافور ہو گیا۔ سر پر ترکی ٹوپی جس کے کناروں پر ایک ایک انچ چیکٹ جما ہوا۔ گندمی رنگ، چہرے پر چیچک کے داغ۔ بھری ہوئی بے ترتیب سی داڑھی۔ زردہ کی شیروانی۔ میلا پاجامہ، جوتے نے کبھی پالش کی شکل

www.taemeernews.com

بھی نہ دیکھی تھی ۔ آواز کچھ باریک ۔ کچھ بھترائی ہوئی ۔ اٹھنے بیٹھنے کھانے پینے میں سادگی اور غربت کے مجسم نمونے ۔ یہی حالت بیگم کی تھی ۔ وہ بھی ایک فقیر شوہر کی فقیر بیوی تھیں اور ایک خلصے خوشحال خاندان کی بیٹی ہونے کے باوجود درویشی کی زندگی بسر کر رہی تھیں ۔

صحابہ کرام کی سی زندگی

جو لوگ کہا کرتے ہیں کہ آج کل کے زمانے میں صحابہ کرام کی سی زندگی بسر کرنا ممکن نہیں ان کے اس دعوی کا عملی جواب حسرت کی زندگی تھی ۔ دینی و دنیوی علوم سے بہرہ ور ۔ شاعر شیوا بیان ۔ انگریزی دان ۔ سیاسی اعتبار سے نہایت واجب الاحترام شخصیت ۔ قلب کے سوز و ساز کی دولت سے مالامال ۔ ارباب تصوف سے نسبت ارادت رکھنے والا ۔ راسخ العقیدہ متقی مسلمان ۔ خوش حالی اور امارت کے تمام مواقع حاصل تھے لیکن طبیعت ان سے نفور تھی ۔ بازار سے خود ہی سودا سلف لے آتے ۔ فقیر منش بیوی کھانا پکا دیتی ۔ اور صبر و شکر سے کھا لیتے ۔ سفر میں ان کا تمام سامان صرف ایک پوٹلی اور ایک ٹین کا ڈبا ر وضو وغیرہ کے لئے) ہوتا تھا ۔ تیسرے درجے سے اوپر کبھی سفر کا اتفاق ہی نہیں ہوا ۔ اپنے دیوان مرتب کئے ۔ انتخابات شعرا شائع کئے ۔ اردوے معلے بھی مدت تک جاری رہا ۔ کھدر اور سودیشی کپڑے کی دکان بھی چلتی رہی ۔ آمدنی مشکل ہی سے مصارف کے لئے کافی ہوتی ۔ لیکن پھر بھی کچھ نہ کچھ پس انداز کرتے رہتے ۔ چنانچہ احباب کو یہ سنکر تعجب ہوگا کہ اس فقیر نے دو دفعہ انگلستان کا سفر اختیار کیا اور عمر بھر میں بار حج کئے !

www.taemeernews.com

دفتر انقلاب میں

ایک دن دفعتہ دفتر "انقلاب" میں تشریف لے آئے اور بیٹھتے ہی کانگرس اور لیگ کی سیاسیات پر مسلسل باتیں شروع کر دیں: "گاندھی پرلے درجے کا احمق ہے اور کمبخت ڈرپوک بھی ہے۔ میں نے احمد آباد میں اس کی جان ضیق میں کر دی۔ اب ہر شخص سے کہتا پھرتا ہے کہ حسرت مجھ سے بات کر کے جاتے ہیں۔ تو میں رات بھر سو نہیں سکتا۔ بھلا بتاؤ۔ میں اس سے کیا کہتا ہوں۔ اس کی بیخوابی کی وجہ یہی ہے کہ میں سچی بات کہتا ہوں۔ جو کچھ عوام کے دلوں میں ہے وہ بیان کرتا ہوں۔ اور گاندھی لچ پچ کی باتیں کرتا ہے۔ بھلا جب انگریز سے جنگ ہی ٹھہر گئی تو مصلحت بینی کیا معنی"۔ تقریر کا یہ فرمانا جاری تھا کہ میں نے روک کر عرض کیا "حضرت ان مکروہات کو مجلس عاملہ کے لئے رہنے دیجئے۔ اور مجھے تو کوئی تازہ غزل سنائیے۔ ہنسے اور کہنے لگے۔ ہاں ہاں غزل سنئے۔ اور پھر "ترنم" سے غزل سنانی شروع کی۔ لاحول ولاقوۃ۔ کیا بیہودہ ترنم تھا لیکن حسرت کا خلوص تھا کہ دل میں بیٹھا جاتا تھا ؎

گلۂ جور نہیں شکوۂ بیداد نہیں
کچھ ہمیں تیری تمنا کے سوا یاد نہیں
گیسوئے دوست کی خوشبو ہے دو عالم کی مراد
ہاتھ وہ نکہت برباد کہ برباد نہیں

www.taemeernews.com

شیخ مبارک علی کے مہمان

لاہور میں عام طور پر شیخ مبارک علی تاجر کتب کے ہاں قیام فرماتے کیونکہ وہاں انہیں سادگی اور بے تکلفی کی وجہ سے پورا آرام ملتا تھا۔ اور آرام نہ بھی ملتا تو وہ محسوس نہ کرتے۔ کیونکہ جفاکشی اور قلت ضروریات ان کی طبیعت ثانیہ بن چکی تھیں — بعض اوقات ایسا بھی ہوا کہ مولانا ٹرین سے اتر کر صبح سیدھے شیخ مبارک علی کی دکان پر پہنچ گئے۔ دکان ابھی بند تھی اور نو بجے کھلنے والی تھی۔ مولانا نے اپنی بقچی بغل سے نکال کر دکان کی سیڑھیوں پر رکھی اور خود بھی وہیں بیٹھ گئے۔ گھنٹہ بھر کے بعد شیخ صاحب آئے۔ علیک سلیک کے بعد بغلگیر ہوئے اور کہا۔ مولانا آپ نے کمال کر دیا۔ پاس ہی تو گھر تھا وہاں آجاتے۔ کہنے لگے اجی نہیں۔ میں نے کہا مبارک علی آخر یہیں آئے گا۔ سو یہیں بیٹھ گیا۔ گھر پر آکر کیا کرتا۔

سفرِ انگلستان کے مصارف

انہی دنوں "زمیندار" کے دفتر میں ملاقات ہوئی۔ مولانا انگلستان سے واپس آئے تھے۔ اور عقیدت مندوں کے جھرمٹ میں بیٹھے ہوئے وہاں کے حالات سنا رہے تھے۔ میں نے پوچھا۔ مولانا آپ کے غالباً اللہ نے چھپر پھاڑ کر بہت سی دولت دے دی ہے۔ کیونکہ آپ دو دفعہ انگلستان ہو آئے ہیں۔ کہنے لگے انگلستان جانے پر کونسی دولت خرچ ہوتی ہے۔ میں نے کہا۔ آخر چند ہزار روپے تو صرف ہو ہی جاتے ہیں۔ کہنے لگے۔ میں تو چار سو روپے میں انگلستان چلا بھی جاتا

www.taemeernews.com

ہمل اور واپس بھی آجاتا ہوں۔ عرض کیا حضرت وہ ترکیب ہمیں بھی بتا دیجئے۔
کہنے لگے حساب لگائیے۔ لاہور سے کراچی تک تھرڈ کلاس کا کرایہ دس روپے (اس زمانے میں کرایہ یہی تھا) کراچی سے ساحلی جہاز کے عرشے پر خلیج فارس میں بصرہ پہنچ گئے۔ بتیس روپے لگتے ہیں۔ وہاں سے لاری میں خانقین تک چند روپے خانقین سے "نیرن اوورلینڈ" کی بس میں بیٹھے یہ لوگ ایک پاؤنڈ فی مسافر کرایہ لیتے ہیں اور حیفا پہنچا دیتے ہیں جو خانقین سے کوئی پانسو میل دور ہے اور بحیرہ روم کے ساحل پر واقع ہے۔ وہاں "حذیول میل" کے جہاز بحیرہ روم میں آتے جاتے ہیں۔ چنانچہ کوئی پچاس روپے میں مارسیلز پہنچا دیتے ہیں۔ وہاں سے کیلے پہنچنے کے لئے ٹرین میں سوار ہوئے اور دربار انگلستان پر جا پہنچے۔ یہاں البتہ کچھ پیسے زیادہ خرچ ہو جاتے ہیں۔ لیکن لندن تک پہنچنے میں دو سو روپے سے زیادہ صرف نہیں ہوتا۔

حسرت لندن میں

فرمایا۔ لندن میں اپنے بہت سے دوست بھی رہتے ہیں اور ہندوستان و پاکستان کے طلبہ تو بے شمار ہی ہیں۔ میرے ورود کی اطلاع رائٹر نے اخباروں میں شائع کرائی۔ ریلوے سٹیشن پر اپنے بے شمار اہل وطن موجود تھے۔ اخباروں کے نامہ نگاروں اور فوٹو گرافروں نے گھیر لیا اور دوسرے دن لندن کے ہر اخبار میں میرے حالات با تصویر چھپ گئے۔ اس دن سے واپسی کے دن تک حرام ہے جو لڑکوں نے میرا ایک پیسہ بھی خرچ ہونے دیا ہو۔ اور میں کھاتا بھی کیا تھا۔ روٹی کے دو چار توس

www.taemeernews.com

اور شوربا۔ باقی لغویات۔ خرافات جو انگریزی کھانے میں ہوتی ہیں وہ مجھے پسند ہی نہیں دو تین مہینے لندن اور مضافات میں گھومے پھرے۔ سیاسی شخصیتوں سے ملاقاتیں کیں اور واپس آ گئے۔

مولانا نے فرمایا کہ جن لوگوں کے پاس دولت فراواں ہے وہ تو جو چاہیں کریں لیکن کم پیسے والوں کو چاہیئے کہ آمد و رفت پر ڈھائی ہزار صرف کر کے لندن میں صرف ایک مہینہ قیام کرنے کے بجائے میرے طریقے سے کم خرچ سفر کریں اور لندن میں چھ مہینے رہیں۔ ٹامس کک کی تجوریاں بھرنے سے اپنا پیٹ بھرنا بہر حال بہتر ہے۔ مولانا کے سفر حج کی کیفیت بھی یہی تھی۔ وہ شروع سے آخر تک درجہ سوم میں سفر کرتے اور جہاز میں بھی موٹر لاری پر اونٹ ہی کو ترجیح دیتے۔ یوں کوئی دوست اپنے صرف پر انہیں موٹر کار میں لے جائے۔ وہ اور بات ہے۔

معجون مرکب

مولانا عقائد سیاسی و مذہبی کے اعتبار سے عجب معجون مرکب تھے۔ ان کا خلوص، ان کی صداقت، ان کی جرأتِ اظہار، ان کی بلندی کردار کسی تعریف و تعارف کی محتاج نہیں۔ وہ کانگریس میں تھے تو گاندھی جی سے چار قدم آگے ہی تھے۔ لیگ میں آئے تو حقوق مسلمین اور پاکستان اور آزادیِ وطن کے مسائل پر جناح صاحب سے بھی لڑ پڑتے اور قائد اعظم اپنی ضد۔ اپنے قائدانہ ٹھاٹھ اور اپنی آمریت کے باوجود حسرت سے کم کھا جاتے۔ اور ان کے خلوص اور ان کی بے لاگی کا بے حد احترام کرتے۔ حسرت ہمیشہ ہندوستان کی کامل آزادی کے علمبردار رہے

www.taemeernews.com

مسلمانوں کے حقوق کی حمایت میں بھی کسی سے پیچھے نہ تھے اور پاکستان کے حصول کی کوششوں میں بھی برابر شریک رہے۔ دینی اعتبار سے نہایت پکّے اور پابند شریعت مسلمان۔ طریقت کے شعبے میں پیکرِ صدق وصفا اور صاحبِ نسبت بزرگ اقتصادی لحاظ سے کمیونزم کے ہمنوا۔ جذبات عاشقی کے اعتبار سے نہایت رنگین مزاج۔ غرض ان کے ذہن میں کئی خانے بنے ہوئے تھے۔ ہر چیز اپنے خانے میں پڑی رہتی تھی۔ اور دوسرے خانوں میں مداخلت نہ کرتی تھی۔ ایک دفعہ میں نے ان سے ہنسی ہنسی میں کہا۔ مولانا! آپ کانگرسی، لیگی، صوفی، مولوی، عاشق مزاج کمیونسٹ ہیں"۔ بہت ہنسے اور کہنے لگے۔ ایک دفعہ پھر تو کہنا کہ میں کیا کیا ہوں۔

کانپور کے براتی لاہور میں

پاکستان قائم ہونے کے بعد ۱۹۴۹ء کے موسم گرما کا ذکر ہے۔ ایک دن مولانا تین چار احباب کے ساتھ دفعتہً مسلم ٹاؤن میں میرے غریب خانے پر پہنچ گئے۔ بڑے تپاک سے ملاقات ہوئی۔ "مولانا آپ یہاں کہاں؟ کیا پاکستان میں ہجرت کر آئے؟"۔ "اجی کہاں کی ہجرت۔ ہندوستان میں اپنے کروڑوں بھائیوں کو چھوڑ کر محض اپنی جان بچانے کے لئے پاکستان بھاگ آنا پرلے درجے کی نامردی اور بزدلی ہے۔ میں تو وہیں ڈٹا ہوا ہوں اور وہیں رہوں اور وہیں مروں گا زیادہ سے زیادہ یہی ہو گا کہ مجھے کوئی سر پھرا ہندو مار ڈالے گا۔ پھر کیا ہے۔ آخر مرنا ہی ہے۔ شہادت کا رتبہ حاصل ہو تو اور کیا چاہیئے"۔ میں نے پوچھا آپ کیسے تشریف لائے۔ فرمایا۔ اجی وہ کانپور کے تاجر ہیں نا۔ حاجی محمد صدیق۔ ان کے لڑکے

www.taemeernews.com

کی شادی میاں ماڈل ٹاؤن کے ایک خاندان میں ہوئی ہے۔ برات کانپور سے ہوائی جہازوں پر آئی ہے۔ اور میں براتی ہوں۔ میں نے سبحان اللہ۔ برات عاشقاں بر شاخ آہو!

روس میں ہماری اکثریت

اس وقت مولانا ہندوستان کی مجلس قانون ساز میں نظام دکن کی حمایت کر رہے تھے۔ میں نے کہا۔ مولانا۔ کسی کمیونسٹ کو کسی ریاست کے والی کی حمایت کرتے نہیں دیکھا۔ یہ بھی آپ ہی کی خصوصیت ہے۔ اس پر مولانا نے کہا۔ وہ جو آپ کہا کرتے ہیں کہ ہم مسلمان اور کانگرسی اور لیگی اور صوفی اور عاشق مزاج اور کمیونسٹ ہوں۔ اس میں ایک چیز کا اور اضافہ کر لیجئے۔ ہر مسئلہ اپنی جگہ ہے۔ کمیونزم اپنی جگہ ہے اور مسلمانوں کی حمایت اپنی جگہ ہے۔ اس صحبت میں ایک بڑے مزے کی بات مولانا نے فرمائی کہ اگر پاکستان، افغانستان اور ایران بھی سوویٹ یونین میں شامل ہو جائیں اور ان تینوں ملکوں میں "جمہوریہ شورائیہ اشتراکیہ" کا نظام قائم ہو جائے تو روس میں ہماری اکثریت ہو جائے۔ میں نے کہا۔ ہماری سے کیا مراد ہے۔ کہنے لگے مسلمانوں کی۔ میں نے اس پر قہقہہ لگایا۔ کہنے لگے۔ آپ ہنستے کیوں ہیں۔ میں نے کہا۔ اکثریت تو جمہوریت میں موثر ہوتی ہے۔ ڈکٹیٹری میں کیسی اکثریت۔

میاں افتخار کی کوٹھی پر

پاکستان میں مولانا کی آخری تشریف آوری اکتوبر ۱۹۵۰ء میں ہوئی۔ جب وہ اپنے بارھویں حج سے واپس آئے تھے۔ چند روز کراچی میں رہے۔ افسوس ہے

www.taemeernews.com

کہ خداوندان حکومت اور اکابر شہر نے ان کی شایانِ شان پذیرائی میں غفلت کی۔ مولانا کو تو ان باتوں سے کوئی سروکار نہ تھا۔ لیکن ان کے عقیدت مندوں کو صدمہ ہُوا۔ جب مولانا نے کراچی سے لاہور کا عزم کیا تو میاں افتخار الدین نے وہیں سے لاہور اپنے کارکنان اخبارات کو ٹیلیفون کرکے ہدایت کی کہ مولانا کو ریلوے سٹیشن سے سیدھے میری کوٹھی لے جاؤ اور ان کے قیام اور آسائش کا بندوبست کرو۔ دوسرے دن مسٹر احمد بشیر اور دوسرے نوجوان ریلوے سٹیشن پر پہنچے۔ انہوں نے مولانا کو کبھی دیکھا نہ تھا۔ وہ انہیں اول و دوم درجوں میں تلاش کر رہے تھے۔ اتنے میں کسی نے بتایا کہ وہ مولانا جا رہے ہیں۔ معلوم ہُوا کہ تیسرے درجے سے اترے ہیں اور حسب معمول بقچی اور لوٹا بغل میں دبائے چلے جا رہے ہیں۔ انہوں نے مولانا کو جا لیا اور موٹر میں بٹھا کر میاں صاحب کی کوٹھی پر لے گئے۔

تھوڑی دیر میں مجھے میاں صاحب کی کوٹھی سے ٹیلیفون آیا کہ مولانا حسرت آپ کو یاد کر رہے ہیں۔ میں نے کہا ٹیلیفون ان کو دیجئے۔ مولانا سے بات چیت ہوئی۔ میں نے کہا آپ کہاں جا پھنسے۔ کہنے لگے کیا کروں یہ لڑکے گھسیٹ لائے ہیں۔ آپ آئیے تو باتیں ہوں گی۔ میں اور مہر صاحب اسی وقت خدمت میں حاضر ہوئے اور دیکھا کہ ایک پُر تکلف بیڈ روم میں قالین اور صوفے بچھے ہوئے ہیں۔ اور مولانا اپنے مخصوص انداز و لباس میں بستر کی پٹی پر یوں بیٹھے ہیں جیسے اڈے پر کبوتر بیٹھا ہے۔ خیر باتیں ہوئیں اور مجھے یہ دیکھ کر بہت تشویش ہوئی کہ مولانا نہایت لاغر ہو رہے ہیں۔ میں نے مہر صاحب سے کہا کہ مولانا تو دُہرے بدن کے آدمی تھے ان کو کیا ہوگیا۔ انہوں نے کہا۔ عمر کا تقاضا ہے۔ میں نے کہا

www.taemeernews.com

مجھے تو اب یہ زیادہ زندہ رہتے نظر نہیں آتے۔ خدا خیر کرے۔

پھر شیخ مبارک علی کے ہاں

ہم ملاقات کر کے واپس آ گئے۔ دوپہر کو جب میں شہر گیا تو کسی کام کے لئے "امروز" میں مولانا چراغ حسن حسرت سے ملنے کے لئے اتر گیا۔ وہاں مولانا حسرت موہانی اپنے ہم تخلص کے ساتھ گپ زنی میں مصروف تھے۔ میں پہنچا تو کہنے لگے آپ خوب آئے۔ چلئے اب مجھے شیخ مبارک علی کے ہاں پہنچا دیجئے۔ میں تو میاں افتخار کی کوٹھی کے شاہی ساز و سامان سے گھبرا گیا۔ اپنی بقچی اٹھا کے بھاگ آیا ہوں۔ میں نے مولانا کو شیخ صاحب کے ہاں پہنچا دیا جہاں وہ نہایت مسرور اور مخلی بالطبع ہو کر دوستوں سے گفتگو میں مصروف ہو گئے۔

یونیورسٹی ہال میں ایک جلسہ ہوا جس کا مقصد یہ تھا کہ مولانا کا کلام سنا جائے لیکن وہاں مولانا نے شاعری کی مختلف قسموں (عاشقانہ۔ فاسقانہ۔ عارفانہ۔ مفکرانہ اور خدا جانے کیا کیا) پر تقریر شروع کر دی۔ جس میں کوئی خاص بات نہ تھی لیکن ان کی بزرگی کے لحاظ سے حاضرین نے نہایت احترام سے ان کی باتیں سنیں اور جلسہ ختم ہوا۔

۱۲ مئی ۱۹۵۱ء کو یہ خبر اہل ذوق پر بجلی کی طرح گری کہ شہنشاہ تغزل سید الاحرار مولانا حسرت موہانی کا انتقال ہو گیا۔ آپ نے ۷۶ سال کی عمر پائی۔ اللہ مغفرت کرے۔

www.taemeernews.com

مولانا گرامی

مولانا غلام قادر گرامی جالندھر کے رہنے والے تھے اور گلے زئی برادری سے تعلق رکھتے تھے۔ انہیں مبدِ فیاض سے فارسی شاعری میں وہ کمال حاصل ہوا۔ کہ عرفی و نظیری کی یاد تازہ ہو گئی۔ میر محبوب علی خاں نظام دکن کی نظرِ انتخاب نے ان کو اپنے دربار کے لئے منتخب کر لیا۔ چنانچہ آپ شاعرِ دربار اور استاد نظام کی حیثیت سے حیدر آباد دکن چلے گئے۔ پرانی وضع کے بزرگ تھے۔ حیدر آبادی شیروانی اور آڑا پاجامہ پہنتے تھے۔ سر پر بڑی سی رنگین دستار باندھتے۔ بھری بھری داڑھی۔ موٹے موٹے خدوخال۔ چمکتی آنکھیں۔ بے حد سنجیدہ مگر شگفتہ مزاج۔ ڈاکٹر اقبال سے خصوصی دوستانہ تعلقات رکھتے تھے اور ڈاکٹر صاحب ہی کے

www.taemeernews.com

دولت کدہ پر مجھے سب سے پہلے مولانا کا نیاز حاصل ہوا۔ ابتدا میں ڈاکٹر صاحب اپنے فارسی اشعار میں ان سے مشورہ بھی لیا کرتے تھے۔ ایک دفعہ انجمن حمایت اسلام کے اجلاس میں ڈاکٹر صاحب نے مولانا گرامی کا تعارف کراتے ہوئے کہا تھا کہ اگر عرفی و نظیری کے بعد فارسی زبان کا کوئی شاعر ہے تو وہ گرامی ہے۔ آج گرامی کو سن لو۔ کل فخر کرو گے کہ تم نے گرامی کو سنا ہے۔ اسی طرح مولانا گرامی کے دل میں بھی ڈاکٹر صاحب کی بیحد قدر و وقعت تھی۔ چنانچہ فرماتے ہیں ؎

در دیدۂ معنی نگہاں حضرتِ اقبال
پیغمبر بے کرد و پیمبر نتواں گفت

اِستغراق فی الشعر

گرامی کی طبیعت میں ایک خصوصیت ایسی تھی جو میں نے عمر بھر کسی شخص میں نہیں پائی۔ یعنی شعر میں ایسا انہماک تھا کہ باقی تمام امور سے انقطاع کلی ہو گیا تھا۔ اگر جالندھر سے چل کر لاہور پہنچنا ہے تو کوئی ٹرین میں بٹھا دے اور کوئی لاہور پہنچکر اتار لے ورنہ انہیں بالکل احساس نہ ہوگا کہ کہاں اترنا ہے وہ فکر شعر میں مستغرق پشاور پہنچ جائیں گے۔ ڈاکٹر اقبال کہا کرتے تھے کہ گرامی شعر میں تلمیذ روح الامین ہے اور باقی تمام معاملات میں چند ہے۔

جب کبھی حیدرآباد سے رخصت لے کر آتے تو ڈاکٹر صاحب علی بخش کو جالندھر بھیج دیتے کہ مولانا گرامی کو لوا لائے۔ علی بخش کسی نہ کسی طرح انہیں لاہور لے آتا۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے۔ علی بخش گیا اور ڈاکٹر صاحب کی طرف سے سلام و پیام

www.taemeernews.com

دے کر کہنے لگا. مولوی صاحب آپ کل صبح میرے ساتھ چلے چلئے. کہنے لگے ہاں ہاں ضرور چلیں گے. کیوں نہ چلیں گے ڈاکٹر (ڈاکٹر کی ٹ کو ہمیشہ ت سے بدل دیا کرتے تھے) ہمارا دوست ہے۔ اپنے دوست کے ہاں کیوں نہ چلیں گے۔ دوسرا دن ہوا۔ صبح ہی بستر بندھوایا. جانے کی تیاریاں ہونے لگیں۔ پھر خدا جانے جی میں کیا آیا. بستر کھلوا دیا۔ ارادہ ملتوی کر دیا۔ اب علی بخش جز بز ہو رہا ہے۔ اس کو سمجھا رہے ہیں. کل چلیں گے. تم فکر نہ کرو۔

تیسرا دن آیا. پھر بستر بندھ گیا. تانگا منگا لیا گیا. تیاریاں مکمل ہو گئیں۔ اندر گئے باہر آئے۔ باہر گئے اندر آئے۔ بیگم سے باتیں کیں. کچھ ضروری چیزیں لے کر ٹرنک میں ٹھونسیں. کوئی گھنٹے بھر کے بعد باہر نکلے۔ گرمی کا موسم تھا. تانگے کی نشست تپ گئی تھی. علی بخش اگلی نشست پر بیٹھ چکا تھا۔ مولانا پچھلی نشست پر بیٹھے ہی تھے کہ بے چین ہو کر اٹھے۔ ارے تانگہ بہت گرم ہے۔ یہ کہا اور نیچے اتر گئے۔ علی بخش سے کہا تم چلے جاؤ۔ ڈاکٹر سے کہہ دینا کہ تانگہ گرم ہو گیا تھا اب سردیوں میں آئیں گے۔ غرض مولانا کو جالندھر سے لانا بھی ایک شدید مرحلہ تھا. جسے علی بخش ہی طے کر سکتا تھا. دوسرے کے بس کا روگ نہ تھا۔

بیگم کا پیغام

جب ایک دفعہ مولانا ڈاکٹر صاحب کے ہاں پہنچ گئے تو پھر یہاں سے ہلنے کا نام نہیں لیتے۔ ڈیڑھ ڈیڑھ مہینا پڑے ہیں۔ ساری دھست یہیں بسر ہو گئی بیگم گرامی (اقبال بیگم ترک تخلص۔ اردو کی شاعرہ تھیں) پیغام پر پیغام بھیج رہی ہیں.

www.taemeernews.com

لیکن یہاں کچھ اثر ہی نہیں۔ ایک دن جالندھر کے دو تین آدمی ڈاکٹر صاحب کے مکان پر مولانا سے ملنے آ گئے۔ بیگم نے ان کو سمجھا کے بھیجا تھا کہ بلطائف الحیل مولانا کو لاہور سے جالندھر واپس آنے پر آمادہ کرنا۔ مولانا نے ان لوگوں سے پوچھا کیوں بھئی ہمارے گھر میں تو خیریت ہے؟ انہوں نے سوکھا سا منہ بنا کر جواب دیا حضرت خیریت تو ہے مگر بیگم صاحبہ کو اسہال ہو رہے ہیں۔ یہ سن کر مولانا سخت مضطرب ہوئے۔ ان کا خیال تھا کہ جس شخص کو اسہال ہونے لگیں وہ مشکل ہی سے بچتا ہے۔ وہ آدمی تو یہ کہہ کر چل دیئے۔ لیکن مولانا کو رٹ سی لگ گئی۔ بیگم کو اسہال ہو رہے ہیں۔ میں بھی عجب آدمی ہوں۔ یہاں آ کر بیٹھ رہا۔ کہیں کوئی نیکی بدی ہو گئی تو کیا کروں گا۔ ڈاکٹر صاحب عدالت سے واپس آئے تو ان کے سر پر سوار ہو گئے۔ میں فوراً جالندھر جاؤں گا۔ اقبال بیگم کو اسہال ہو رہے ہیں۔ جلدی سے انتظام کرو۔ اب میں ہرگز نہیں ٹھہر سکتا۔ ڈاکٹر صاحب کو مولانا کی کمزوری معلوم تھی۔ انہوں نے نہایت سکون سے سوٹ اتارا۔ کپڑے تبدیل کئے اور اس دوران میں ایک رباعی کے تین مصرعے کہہ لیے۔ تھوڑی دیر بعد کہا۔ مولانا خدا فضل کرے۔ لیکن اسہال کوئی خطرناک مرض نہیں۔ یوں آپ جس وقت چاہیں گے۔ میں آپ کو جالندھر بھجوا دوں گا لیکن ایک رباعی ذہن میں اڑ گئی ہے تین مصرعے ہو سکے ہیں چوتھا ہونے میں نہیں آتا۔ اور آپ جانتے ہیں — چوتھا مصرع جانِ رباعی کہلاتا ہے۔ اس کے بعد وہ تینوں مصرعے سنا دیئے اور کہا۔ ذرا فکر تو کیجئے شاید چوتھا مصرع ہو جائے۔

www.taemeernews.com

چوتھا مصرع ہوگیا

اب مولانا اس چوتھے مصرع کی فکر میں مستغرق ہوگئے اور بیگم کا خیال دھواں بن کے اڑ گیا۔ بیٹھے ہوئے گنگنا رہے ہیں، کھڑے ہوئے گنگنا رہے ہیں، حقہ پی رہے ہیں اور گنگنا رہے ہیں۔ ایک آدھ مصرع کہہ کر ڈاکٹر صاحب کو سنایا جو انہیں پسند نہ آیا۔ دوبارہ فکر ہوئی۔ لیکن کوئی مصرع ٹھیک نہ بیٹھا۔ ڈاکٹر صاحب اوپر کے کمرے میں جا کر سو گئے۔ اب مولانا اسی مصرع کی بھول بھلیاں میں چکر کاٹ رہے ہیں۔ رات کے تین بجے نہایت چست و برجستہ مصرع ہوگیا۔ مولانا نے علی بخش کو جگا کر کہا۔ علی بخش جاؤ۔ ڈاکٹر کو بلا لاؤ۔ اس کہا۔ مولوی صاحب کوئی تکلیف یا ضرورت ہو تو مجھے حکم دیجئے۔ ڈانٹ کر کہا۔ نہیں تجھ سے کام نہیں ڈاکٹر سے کام ہے۔ وہ بیچارا اوپر گیا۔ دروازہ کھٹکھٹایا۔ ڈاکٹر صاحب جاگ اٹھے۔ علی بخش نے کہا۔ مولوی صاحب آپ کو بلا رہے ہیں۔ پوچھا خیر تو ہے؟ بیمار تو نہیں ہوگئے۔ عرض کیا بظاہر تو بھلے چنگے ہیں۔ خیر۔ ڈاکٹر صاحب سردی میں دھسا اوڑھ کر نیچے اترے۔ حضرت خیر تو ہے؟ فرمایا۔ اجی سنو۔ مصرع ہوگیا۔ ڈاکٹر صاحب نے مصرع سن کر داد دی اور اجازت چاہی۔ کہنے لگے۔ اب جا کر سو رہو گے؟ اجی کہاں جاتے ہو۔ اب تو صبح ہونے والی ہے۔ اس کے ساتھ ہی علی بخش سے کہا۔ میاں اس وقت تو چائے کو جی چاہتا ہے۔ علی بخش نے جھٹ سٹوو روشن کیا۔ چائے پکائی۔ جب چائے تیار ہوگئی۔ تو مولانا کیا فرماتے ہیں۔ آہا۔ اگر اس وقت سنگترے ہوتے تو مزا آجاتا۔ ڈاکٹر صاحب نے علی بخش سے کہا۔ جاؤ۔ تمہاری دروازے کے

www.taemeernews.com

کسی دکاندار کو جگا کر شکنجے لے آؤ۔ بے چارہ علی بخش سوں سوں کرتا ہوا ریوڑہ گیا۔ دکاندار کو جگا کر شکنجے لایا۔ مولانا نے بہت مزے لے لے کر کھائے۔ چائے پی اور پھر ڈاکٹر صاحب سے کہنے لگے۔ اب تم جاؤ اور سو رہو حالانکہ اس وقت سورج نکل رہا تھا۔

دن گوبھی رات گوبھی

ایک دن کھانے پر بیٹھے تو کہا۔ علی بخش۔ آجکل گوبھی نہیں ملتی ؟ عرض کیا۔ حضرت۔ بہت ملتی ہے۔ حکم دیا کہ شام کو گوبھی ضرور پکانا۔ شام کو جب گوبھی پک کر سامنے آئی۔ تو پوچھنے لگے۔ یہ کیا ہے ؟ کہا گیا گوبھی۔ بگڑ کر کہنے لگے صبح گوبھی، شام گوبھی۔ دن گوبھی۔ رات گوبھی۔ بڈھے آدمی کو بادی سے مارڈالو گے کیا ؟ علی بخش نے کہا۔ آپ ہی نے حکم دیا تھا۔ لیکن ڈاکٹر صاحب نے اس سے کہا۔ تم چپ رہو۔ صبح گوبھی کی فرمائش کرنے کے بعد مولوی صاحب اب تک اپنے تصور میں خدا جانے کتنی دفعہ گوبھی کھا چکے ہیں۔ تم بھی سچے ہو اور یہ بھی سچے ہیں۔

کوہ ہمالیہ

بعض اوقات سردیوں کے موسم میں دفعتہ رات کے وقت انہیں محسوس ہوتا کہ سر کے نیچے تکیہ کافی اونچا نہیں۔ نیچے سے توشک نکال کر لپیٹتے اور سرہانے رکھ لیتے۔ پھر بھی طبیعت مطمئن نہ ہوتی تو لحاف کو گاؤ تکیہ بنا ڈالتے

www.taemeernews.com

اور پھر صبح کے وقت شکایت کرتے کہ ساری رات جاڑے میں مرگیا۔ تم لوگ کافی بستر کیوں نہیں دیتے۔ علی بخش کہتا۔ مولوی صاحب بستر تو دیا تھا لیکن آپ نے تو تہ بنا کر سر کے نیچے رکھ لیا۔ اس پر اسے بُرا بھلا کہنے لگتے۔

ایک دفعہ میں نے نواب سراج الدین احمد خاں سائل دہلوی کے متعلق کہ ان کے لنگوٹیے یار تھے۔ دریافت کیا کہ ان کی شاعری کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے؟ جواب دیا "خامی ہیں پختہ ہو گیا ہے میاں" ہئیں! اس جامع مانع رائے کو سن کر پھڑک گیا۔

سوءِ اتفاق ملاحظہ ہو کہ مولانا بھی کانوں سے بہرے تھے اور بیگم گرامی بھی اونچا سنتی تھیں۔ جالندھر کے بعض احباب کا بیان ہے کہ رات کو جب کبھی ہم مولانا کے گھر کے پاس سے گزرتے تو دیوار سے لگ کر خوب شعر سنتے۔ کیونکہ دونوں میاں بیوی ایک دوسرے کو چلا چلا کر اپنے شعر سنایا کرتے تھے۔

ناجائز فائدہ

مولانا گرامی کا ایک نوکر تھا غلام محمد۔ بہت نمازی اور پرہیزگار۔ مکان کے پاس ہی مسجد تھی۔ غلام محمد ہر نماز مسجد میں جا کر پڑھتا تھا۔ ایک دفعہ مولانا نے آواز دی غلام محمد! کسی نے بتایا ظہر کی نماز پڑھنے گیا ہے۔ دو گھنٹے گزر گئے۔ پھر آواز دی غلام محمد! پھر کسی نے بتایا کہ عصر کی نماز پڑھنے گیا ہے۔ ...

بہت بگڑے۔ کہنے لگے "جب دیکھو نماز پڑھنے گیا ہے۔ جب پوچھو نماز پڑھنے گیا ہے۔ نابکار۔ قربِ مسجد کا ناجائز فائدہ اٹھاتا ہے"۔ یہ "ناجائز فائدہ" بھی خوب رہا۔

www.taemeernews.com

نکاح ثانی

مولانا گرامی کے ہاں عمر بھر اولاد نہیں ہوئی۔ ایک دفعہ بعض عزیزوں نے کہا کہ آپ کی اس بیگم سے اولاد نہ ہوگی۔ آپ دوسرا نکاح کیجئے۔ پہلے تو ٹالتے رہے۔ آخر راضی ہو گئے اور ایک عورت سے نکاح کر لیا۔ لیکن ابھی رخصتی عمل میں نہ آئی تھی اقبال بیگم کو بے حد صدمہ ہوا۔ وہ لاہور آکر ڈاکٹر صاحب سے ملیں اور کہا۔ آپ اپنے دوست کو سمجھائیے۔ اس بڑھوتی کے زمانے میں اسے نکاح کی کیا سوجھی۔ بیگم بیچاری بہت روتی تھیں۔ ڈاکٹر صاحب نے علی بخش کو بھیجکر مولانا کو بلوایا۔ دریافت حال کیا۔ اور کہا۔ آپ نے برا کیا۔ اگر اقبال بیگم کے خلاف آپ کو شکایت ہوتی تو ایک بات بھی تھی۔ خواہ مخواہ بلا قصور اس پر سوت لا بٹھانا یہ کہاں کی انسانیت ہے؟ لیکن مولانا تھے کہ پٹھے پر ہاتھ ہی نہیں دھرنے دیتے تھے۔ "نکاح میں کیا حرج ہے؟ نکاح سنت رسول ہے۔ ملت کے بڑے بڑے لوگوں نے تین تین چار چار نکاح کئے ہیں میرے ہاں اولاد نہیں ہوئی۔ میرے بعد میرا نام کون لے گا؟"

تیر نشانے پر

ڈاکٹر صاحب اس بے زبان کی ترزبانی سے بہت پریشان ہوئے لیکن آخر شاعر کو زیر کرنے کے لئے جذبات کے حربے سے کام لیا اور کہا کہ اولاد ہی سے نام نہیں رہتا۔ آپ کا کلام مدت دراز تک زندہ رہے گا اور لوگ آپ کو یاد

www.taemeernews.com

رکھیں گے۔ لیکن جب روز قیامت آقائے دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم کا دربار لگے گا اور ساری امت حضورؐ کے قدموں میں جمع ہوگی اور اقبال بیگم حضورؐ کا دامن تھام کر فریاد کرے گی کہ اے دوجہان کے آقا۔ میرا انصاف کر۔ عمر بھر میں نے اس بڈھے کی خدمت کی۔ لیکن اس نے بے قصور و بے گناہ مجھ پر سوکن لا بٹھائی اور میری زندگی کو تلخ کر دیا۔ اس وقت بڈھا گرامی کیا جواب دے گا۔ اے بوالہوس! کیا تو نے جواب سوچ لیا ہے؟

بس پھر کیا تھا۔ تیر نشانے پر لگا۔ مولانا گرامی زار زار رونے لگے اور چلا چلا کر کہنے لگے۔ یا رسولؐ اللہ! میں بھول گیا۔ میرے آقا مجھ سے خطا ہو گئی۔ خدا کے لئے مجھے معاف کر۔ ڈاکٹر۔ بتاؤ۔ اب میں کیا کروں؟ ڈاکٹر صاحب نے مولانا کو تسلی دی اور کہا کہ فوراً واپس جا کر اس عورت کو طلاق دے دو اور حضورؐ کے عتاب سے بچ جاؤ۔ مولانا گرامی نے جا کر اس عورت کو طلاق دے دی۔ اور آدھا مہر بھی ادا کر دیا۔

پان سیر سونا

مولانا بدحواس آدمی تو تھے ہی۔ ایک دن میر محبوب علی خاں نظام دکن کا دربار لگا ہوا تھا جب دستور تمام ارکان دربار اپنے اپنے منصب پر کھڑے تھے مولانا بھی اپنے مقام پر استادہ تھے۔ لیکن ازار بند لٹک رہا تھا حضور نظام کی نگاہ پڑ گئی۔ انہوں نے پیش کار حضوری سے کہا۔ گرامی کو دیکھو۔ ازار بند لٹک رہا ہے اور کچھ ہوش نہیں۔

www.taemeernews.com

پیشکار پریشان ہوا کہ کہیں عتاب نہ ہو جائے، جھٹ بات بنائی۔ اور کہا حضور والا، گرامی پریشان رہتا ہے۔ یہاں جو منصب ملتا ہے۔ وہ نوکر چاکر گھوڑا گاڑی میں خرچ ہو جاتا ہے۔ وطن میں ہمشیر کی شادی در پیش ہے (حالانکہ بہن کوئی تھی ہی نہیں) یہ پنجاب کے لوگ لڑکیوں کو جہیز میں سونے کے ٹھوس زیور دیتے ہیں۔ اس لئے بیچارہ فکرمند رہتا ہے۔ میر محبوب علی خاں میں پرانے بادشاہوں کی سی فیاضی تھی۔ حکم دیا کہ گرامی کو پانچ سیر سونا دیدیا جائے۔ حکم کی تعمیل ہوئی۔ گرامی کو پانچ سیر سونا ملا تو ان کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا۔ پیشکار سے پوچھا۔ اس نے سارا قصہ سنایا۔ شام کے وقت مولانا اپنے مکان پر یاروں میں بیٹھے ڈون کی لے رہے تھے۔ "ابھی تو ازار بند لٹک ہی رہا تھا۔ کہ پانچ سیر سونا ملا۔ اگر کہیں کھل گیا ہوتا تو دس سیر ملتا۔"

"ھُن چھڈ یار"

ایک دفعہ کا ذکر ہے حضور نظام نے سر دربار مولانا گرامی کو حکم دیا کہ اپنا کلام سناؤ۔ مولانا نے سات اشعار کر تسلیمات پیش کیں (دستور دربار یہی تھا کہ سات شعر سنا کر تسلیم کرو اور ہٹ جاؤ۔ اگر حضور مزید فرمائش کریں تو اور سناؤ ورنہ نہیں) نظام نے کہا اور سناؤ۔ مولانا نے سات اشعار اور سنائے اور تسلیم کی۔ حضور نظام بھی موج میں تھے انہوں نے فرمایا" گرامی اور سناؤ" اس پر مولانا نے بے ساختہ پنجابی میں کہا —— "ھُن چھڈ یار۔ میں تھک گیاں" نظام خدا جانے کچھ سمجھے یا نہیں۔ لیکن مولانا کا پیچھا چھوڑ دیا۔ یہ خود فراموشی کی نہایت دلچسپ مثال ہے۔ شعر سناتے سناتے آپ کو یاد ہی نہ رہا کہ کس کے سامنے شعر پڑھ رہا ہوں۔ اور جب تھک جانے کے

www.taemeernews.com

بادجود مزید فرمائش ہوئی تو یوں جواب دیا. گویا کوئی بے تکلف پنجابی دوست سامنے بیٹھا ہے۔

مختلف لطائف

مولانا کی ذات دلچسپیوں کی لوٹ تھی۔ ان کی ذات سے دن بھر لطائف صادر ہوتے رہتے تھے۔ مثلاً صبح دس بجے علی بخش نے آکر کہا. مولوی صاحب کھانا کھا لیجئے۔ فرمایا. واہ علی بخش تم بھی عجیب آدمی ہو. ارے ابھی تو ناشتا کیا ہے اور ابھی کھانا کھا لوں؟ کوئی ساڑھے دس بجے علی بخش نے کہا. مولوی صاحب کھانا لاؤں ؟ فرمایا. پھر تم نے وہی رٹ لگائی. ارے میاں ابھی تو ناشتا کیا ہے ــــ علی بخش جاکر اپنی کوٹھڑی میں بیٹھ گیا۔

ابھی پندرہ منٹ نہ گزرے ہوں گے کہ مولانا برآمدے میں نکل آئے اور چلّانا شروع کیا. علی بخش علی بخش! وہ بھاگا ہوا آیا. حکم مولوی صاحب ـ کہنے لگے. بڑے بیدرد ہو تم لوگ ۔ دوپہر ہونے کو آئی. بھوک سے جان نکلی جاتی ہے اور کھانا نہیں دیتے. جلدی سے کھانا لاؤ۔

ایک دن میں تیسرے پہر ڈاکٹر صاحب کے گھر گیا. باہر مولانا کرسی پر بیٹھے تھے اور دوسری کرسی پر آٹھ دس سنگترے پڑے تھے. میں نے کہا مولانا سنگترے منگائے ہیں؟ کہنے لگے ہاں. ابھی علی بخش بازار سے لایا ہے. اب میری رگِ شرارت پھڑکی۔ میں نے کہا مولانا ۔ یہ تو کھٹے معلوم ہوتے ہیں. کہنے لگے اچھا؟ آپ کہتے ہیں تو ضرور کھٹے ہوں گے. یہ علی بخش بڑا ہی احمق ہے. اسے

www.taemeernews.com

کیا معلوم سنگترہ کس کو کہتے ہیں بس جو کچھ کسی نے دیا اٹھا کے لے آیا۔ اس کے بعد علی بخش کو بلا کر کہا کہ یہ کھٹے سنگترے کیوں اٹھا لائے؟ وہ کہنے لگا مولوی صاحب میٹھے ہیں۔ اس پر بگڑ کر کہا واہ میٹھے ہیں! سالک صاحب جیسا معتبر آدمی تو کہہ رہا ہے کہ کھٹے ہیں اور یہ میٹھے بتا رہا ہے۔ علی بخش سمجھ گیا۔ ایک طرف ہو کر میرے آگے ہاتھ جوڑے۔ میں نے سنگتروں کو ٹٹول کر دیکھا۔ اور کہا۔ مولانا غلطی ہو گئی۔ یہ تو ناگپوری ہیں۔ ضرور میٹھے ہوں گے۔ یہ سنکر بہت شگفتہ ہوئے اور کہنے لگے۔ جی ہاں ضرور میٹھے ہوں گے۔ میں تو پہلے ہی جانتا تھا کہ سارے شمالی ہندوستان میں علی بخش جیسا "سنترہ فہم" آدمی موجود نہیں۔

لاہور میں آخری پھیرا

۱۹۲۹ء یا شاید ۳۰ کا ذکر ہے۔ مولانا گرامی آخری دفعہ لاہور تشریف لائے وہ قصہ بھی سن لیجئے۔ انجمن حمایت اسلام کا سالانہ اجلاس ہو رہا تھا ـــــ اور نواب سراج الدین احمد سائل اس میں نظم پڑھنے والے تھے۔ نواب صاحب کے داماد ڈپٹی مرزا عبدالرب امرتسر میں مجسٹریٹ تھے۔ لہذا نواب صاحب جلسے سے چند روز پہلے امرتسر پہنچ گئے۔ اور مرزا عبدالرب سے کہا کہ ہمارا ایک پرانا یار گرامی جالندھر میں رہتا ہے۔ اس کو یہاں لے آؤ۔ تو چند روز لطف سے کٹ جائیں گے چنانچہ مرزا صاحب جالندھر گئے اور جوں توں کر کے مولانا گرامی اور بیگم گرامی کو زبردستی موٹر میں ڈال کے لے آئے۔ جس دن جلسہ تھا مرزا صاحب نواب سائل اور مولانا گرامی کو موٹر میں بٹھا کر لاہور لائے۔ ڈاکٹر صاحب ان دنوں انجمن کے کارکنوں سے کچھ

www.taemeernews.com

آزردہ تھے اور جلسے میں جانے سے انکار کر چکے تھے انہوں نے مجھے بلایا اور فرمایا کہ آپ جلسے میں جائیے اگر گرامی آ گئے ہوں تو ان کو کسی طرح بلا لائیے۔

جلسے میں نواب سائل نے لاٹ صاحب پنجاب کے زیر صدارت نظم پڑھی شیخ عبدالعزیز مرحوم سکریٹری انجمن نے مولانا سے بہت اصرار کیا کہ آپ بھی چند اشعار سنائیے۔ آپ نے فرمایا کہ ہرگز نہیں۔ میں میر محبوب علی خاں کا شاعر دربار ہوں فرنگیوں کے سامنے شعر نہیں سنا سکتا۔ خیر جلسہ ختم ہوا۔ مولانا اور نواب صاحب کار کی طرف بڑھے تو میں نے جا لیا اور عرض کیا کہ میں سالک ہوں۔ اخاہ کر کے لپٹ گئے میں نے ڈاکٹر صاحب کا پیغام دیا تو آپ کچھ تامل اور عذر کرنے لگے۔ میں نے نواب سائل صاحب سے گزارش کی۔ کہ آپ ہی ذرا سفارش فرما دیجئے۔ وہ کہنے لگے سالک صاحب گرامی تو بادشاہ ہیں۔ جی چاہے گا چلے جائیں گے۔ نہ چاہے گا تو کسی بڑی سے بڑی سفارش سے نہ جائیں گے۔ ابھی ہم امرت سر سے لاہور آ رہے تھے۔ اٹاری پر ذرا کی ذرا کار رکی تو مولانا اتر کر پیدل امرتسر کی طرف چل دیئے اور ہم سے کہنے لگے کہ تم لوگ لاہور جاؤ۔ میں امرتسر جاتا ہوں۔ میرا لاہور میں کیا کام۔

خیر۔ میں نے منت سماجت کر کے مولانا کو کار سے اتارا حفیظ جالندھری کہیں سے آ نکلے۔ میں نے کہا۔ بھاگ کر ایک تانگہ لے آؤ۔ وہ تانگہ لائے تو ہم مولانا گرامی کو ساتھ لے کر ڈاکٹر اقبال کے ہاں پہنچ گئے۔ دونوں دوست بیحد مسرت سے بغلگیر ہوئے اور گفت و شنید کے پھول بکھیرنے لگے۔ رات کے گیارہ بجے تک ہم وہیں بیٹھے رہے۔

صبح میرے پاس اسلامیہ کالج کے چند طلبہ آئے اور کہنے لگے سالک صاحب

www.taemeernews.com

حسن اتفاق سے مولانا گرامی آئے ہوئے ہیں بے شمار لوگ ان کا کلام سننے کے مشتاق ہیں۔ اگر آپ کسی طرح مولانا کو آمادہ کر لیجئے تو ہم حبیبیہ ہال میں ایک خاص اجتماع کا انتظام کئے لیتے ہیں۔ خدا جانے یا قسمت یا نصیب۔ اب کبھی مولانا لاہور میں آسکیں گے یا نہیں۔ ان کی زبانی چند اشعار تو سن لیں۔ میں مولانا کی ضدی طبیعت کو جانتا تھا۔ میں نے طلبہ سے کہا کہ تم "جالندھر السیوسی ایشن اسلامیہ کالج" بن جاؤ۔ اور میرے ساتھ چلو۔ ڈاکٹر صاحب کی کوٹھی پر پہنچکر میں نے مولانا سے عرض کیا کہ آج دوپہر کو آپ حبیبیہ ہال میں کلام سنائیں گے کیونکہ وہاں طلبہ نے جلسے کا انتظام کیا ہے۔ حسب توقع مولانا نے انکار کر دیا اور پیری اور نکان کا عذر کیا۔ اس پر میں نے اپنا حربہ استعمال کیا اور کہا۔ مولانا یہ لڑکے جالندھر کے ہیں۔ انہوں نے اسلامیہ کالج میں جالندھر السیوسی ایشن قائم کر رکھی ہے۔ اور ہمیشہ اپنے ہمسروں میں ڈینگیں مارتے رہتے ہیں۔ کہ آج ہمارے شاعر کا جواب نہیں گرامی آئیں گے تو ہم تم کو ان کا کلام سنائیں گے اب اگر آپ تشریف نہ لے گئے تو جالندھر کے ان نوجوانوں کی بڑی ذلت ہو گی (حالانکہ ان میں سے ایک بھی جالندھر کا نہ تھا)

حبیبیہ ہال میں

مولانا موم ہو گئے "اچھا؟ یہ بچے جالندھر کے ہیں؟ پھر تو میں ضرور آؤں گا۔ سالک صاحب۔ آپ کی ڈیوٹی ہے۔ آپ مجھے ساتھ لے کر جائیں گے۔ عرض کیا۔ مولانا بسر و چشم۔ چنانچہ طلبہ نے حبیبیہ ہال میں فرش فروش کا انتظام کر کے سٹیج بنا دیا مولانا گرامی سٹیج پر تشریف فرما ہوئے۔ حقہ لگا دیا گیا اور باہر جلسہ انجمن میں اعلان کر دیا گیا

www.taemeernews.com

کہ جلسے کے خاتمہ پر مولانا گرامی حبیبیہ ہال میں اپنا کلام سنا رہے ہیں، احباب ذوق وہاں تشریف لائیں۔ جب ہال بھر گیا تو میں نے مولانا سے کلام کی فرمائش کی کہنے لگے نہیں پہلے اور لوگ پڑھیں۔ میں بے حد پریشان ہوا کہ اب شعراء کو کہاں سے لاؤں۔ اتنے میں منشی میراں بخش جلوہ سیالکوٹی نظر آئے۔ یہ ایک بلند قامت، سیاہ فام، ڈاڑھی اور پگڑی اور لمبے کالے چغے والے شاعر تھے۔ پرانے فیشن کے اور بے تکے شعر کہا کرتے تھے اور انجمن کے جلسے میں اکثر آتے تھے۔ میں نے ان سے فرمائش کی۔ مولانا حقے کی نے منہ میں لئے کرسی پر بیٹھے تھے۔ جلوہ نے ایک غزل سنائی۔ جس کی زمین تھی۔ سحر کی آستیں۔ قمر کی آستیں۔ جب مقطع پڑھا ؎

یار کا جلوہ جو دیکھا اڑ گئے درزی کے ہوش
آستیں کی کی کمر اور کی کمر کی آستیں،

تو مولانا ایک دم کیا فرماتے ہیں "واہ رے تیری کی کی کی" قہقہوں سے ہال گونج اٹھا۔ اور جلوہ صاحب بہت مدھم ہوئے۔

اس کے بعد حفیظ جالندھری نے ایک نظم سنائی۔ پھر مولانا نے مجھ سے بار بار ایک فارسی غزل کی فرمائش کی جو میں نے پڑھ کر سنائی اور مولانا سے عرض کیا کہ اب اور کوئی نہیں۔ آپ ہی کی باری ہے۔ اس پر مولانا نے کوئی ایک گھنٹے تک اپنا کلام بلاغت نظام سنایا۔

جب یہ جلسہ ختم ہوا تو مولانا شاعری کے آسمان سے اتر کر پھر اپنی عام سطح پر آ گئے۔ میں نے سید احمد شاہ بخاری کا تعارف کرایا۔ کہنے لگے۔ اچھا؟ تو یہ بخارا کے رہنے والے ہیں؟ پھر یہ تو ہماری غلطیاں نکالتے ہوں گے۔ بخاری یہ سن کر کسی قدر

www.taemeernews.com

خفیف ہوئے۔ پھر میں نے سید امتیاز علی تاج کو پیش کیا۔ "اچھا! تو یہ مولوی ممتاز علی صاحب کے صاحبزادے ہیں؟ مولوی صاحب تو ہمارے پرانے دوست ہیں۔" یہ کہہ کر امتیاز کے چہرے پر ہاتھ لہرا لہرا کر کہنے لگے۔ واہ بھئی واہ بھئی واہ۔ اس واقعہ کے بعد ہم مدت تک مولانا کی اس حرکت کو یاد کر کے امتیاز کو چھیڑا کرتے تھے۔

ان تمام بدحواسیوں کے باوجود مولانا گرامی محبت اور خلوص کے پتلے تھے۔ ڈاکٹر اقبال سے تو خیر پرانی رسم و راہ تھی۔ لیکن مجھ سے اور حفیظ جالندھری سے بھی بے حد محبت کرتے تھے۔ مرتے وقت بھی ہم تینوں ہی کو یاد کر رہے تھے۔

اللّٰھم اغفرلہٗ

www.taemeernews.com

مولانا احمد سعید دہلوی

۱۹۲۲ء کے اواخر میں جب میں مدیر زمیندار کی حیثیت سے تحریک خلافت میں سزایاب ہو کر میانوالی جیل میں پہنچا تو چند ہی روز میں معلوم ہو گیا کہ مولانا احمد سعید ناظم جمعیۃ العلمائے ہند بھی اسی جیل کے کسی دوسرے حصے میں موجود ہیں۔ وارڈروں سے کرید کرید کر جو پوچھا تو انکشاف ہوا کہ مولانا قیدیوں کے لباس میں ہیں اور مونج بٹنے کی مشقت کر رہے ہیں۔ یہ سن کر بہت صدمہ ہوا۔ جب دوسرے دن شام کو ڈاکٹر رامجید اس سپرنٹنڈنٹ جیل دریافت حال کے لئے ہمارے وارڈ میں آئے تو میں نے اور اختر علی خاں نے ان سے کہا کہ مولانا احمد سعید دہلوی ہمارے نہایت ہی محترم عالم دین بلکہ ہندوستان بھر کی جمعیت علماء کے سیکرٹری ہیں اور مسلمانوں میں جمعیۃ علما کانگرس اور

www.taemeernews.com

مجلس خلافت سے کہیں زیادہ اثر و نفوذ رکھتی ہے۔ ایسی شخصیت کو عام قیدیوں کی طرح رکھنا کسی اعتبار سے قرین انصاف نہیں۔ ہم درجۂ خاص کے قیدی ہیں اور ہمیں ہر طرح کی آسائشیں میسر ہیں۔ لیکن ہم میں سے ہر شخص اس امر پر آمادہ ہے کہ اس کو درجۂ خاص کی رعایات سے محروم کر کے مولانا کو اس کی جگہ اس درجے میں شامل کر دیا جائے۔ ڈاکٹر راجیداس نے کہا کہ حکومت کی طرف سے مولانا کے متعلق کوئی ہدایات موصول نہیں ہوئیں۔ بہرحال میں کوشش کروں گا کہ مولانا کو بھی سپیشل کلاس دے دی جائے۔

مولانا کا ورود

چند روز بعد مولانا احمد سعید ہمارے وارڈ میں تشریف لائے اور مجھے پہلی دفعہ اسی دن نیاز حاصل ہوا۔ عام قیدیوں کے کپڑے پہنے ہوئے تھے۔ بشاش بشرہ۔ چھدری سی داڑھی۔ توند کسی قدر نکلی ہوئی۔ بلند قامت۔ آنکھوں میں شفقت اور شوخی کا عجیب سا امتزاج۔ بات بات پر قہقہے لگانے اور جیل کے لطیفے سنا کر ہمیں ہنساتے رہے۔ معلوم ہوا کہ مولانا کو سپیشل کلاس مل گئی ہے اور وہ مستقل طور پر ہمارے وارڈ میں منتقل کر دیئے گئے ہیں۔ بے حد خوشی ہوئی۔ مولانا نے غسل کر کے اپنا اصلی لباس پہنا۔ سر پر دہلی وال کرمی ہوئی ٹوپی۔ شیروانی اور آڑا پاجامہ۔ چونکہ وہ ہم سب میں بزرگ اور واجب الاحترام تھے اور ان کی شخصیت میں جاذبیت بدرجہ اتم تھی، اس لئے ہم دن بھر انہی کے گرد جمع رہتے تھے۔

www.taemeernews.com

درس فتدریس

کچھ مدت کے بعد جب میانوالی جیل میں قیدیوں کی ایک اور بڑی کھیپ آن پہنچی تو ہم لوگ ایک چھوٹے وارڈ میں منتقل کر دیئے گئے جو معمولاً قید محض کے اسیروں اور کم عمر قیدیوں کے لئے مخصوص تھا۔ لیکن اب بلا امتیاز سالک۔ سیماب۔ اختر علی خان۔ صوفی اقبال۔ مولوی لقا اللہ۔ مولانا احمد سعید۔ مولانا داؤد غزنوی۔ عبدالعزیز انصاری۔ سید عطاء اللہ شاہ وغیرہ اس وارڈ میں یکجا کر دیئے گئے اور یہاں ہماری زندگی کا ایک خاص انداز شروع ہوا۔ میں نے اور عبدالعزیز انصاری نے مولانا احمد سعید سے عربی صرف و نحو، ادب اور منطق کا سبق لینا شروع کیا۔ ایک آدھ گھنٹہ پڑھ لیتے۔ پھر ایک دو گھنٹے آموختہ دہراتے۔ اور اردو سے عربی میں ترجمہ کر کے مولانا کو دکھاتے۔ مولانا کا انداز تدریس اگرچہ وہی اساتذۂ قدیم کا سا تھا۔ لیکن وہ اس میں خاص دلآویزی پیدا کر دیتے تھے جس میں بیزاری ناگواری کا شائبہ بھی نہ ہوتا تھا۔ اور ہم بے تکان کتابیں پڑھتے چلے جاتے تھے۔

اک بارہ ہے کہ دوبارہ ...

جیل کی دنیا عجیب دنیا ہے وہاں قیدیوں کو بیرونی دنیا کے واقعات و حوادث کا بہت کم علم ہوتا ہے۔ خصوصاً عام اخلاقی قیدی تو اپنی جہالت کی وجہ سے بالکل ہی بے خبر ہوتے ہیں۔ قیدیوں کی دو قسمیں ہیں۔ "ایکبارہ" اور "دوبارہ" جن کو

www.taemeernews.com

انگریزی میں (CASUAL) اور (HABITUAL) کہتے ہیں۔ اکبازدہ قیدی ہے جس کو پہلی مرتبہ جیل میں آنے کا اتفاق ہوا ہو "دوبارہ" وہ جو عادی مجرم ہو اور ایک سے زیادہ بار قید ہو چکا ہو۔ مولانا نے لطیفہ سنایا کہ جب میں نیا نیا میانوالی جیل میں آیا۔ تو ایک پرانے اور طویل المیعاد قیدی نے مجھے نماز و تلاوت میں مصروف دیکھ کر سمجھ لیا کہ مولوی ہوں۔ ایک دن اس نے پوچھا "مولبی جی۔ تم نے کیا جرم کیا تھا۔ کہ بندھ گئے؟" میں نے کہا۔ بھئی۔ ہم تو تحریک خلافت میں سزایاب ہو کر آئے ہیں۔ قیدی کچھ نہ سمجھا۔ پھر میں نے اس کو ترک موالات۔ عدم تعاون۔ مالی و زن اور خدا جانے کس کس لفظ اور اصطلاح کی مدد سے سمجھانے کی کوشش کی۔ نتیجہ صفر۔ میں نے پوچھا "گاندھی کو جانتے ہو؟" کہنے لگا ہاں۔ ہمارے گاؤں میں ایک گاندھی ہے جو شادی بیاہ کے موقعہ پر عطر لگایا کرتا ہے (یعنی گندھی) آخر میں نے عاجز آکر کہا۔ خلیفۃ المسلمین کو جانتے ہو؟" قیدی نے کچھ دیر سوچ کر پوچھا کہ وہ اکبا رہے کہ دوبارہ؟ میں بے اختیار ہنس دیا اور تفہیم کی کوشش سے دست بردار ہو گیا۔

شیخ مجلس

مولانا احمد سعید ایک عالی پایہ عالم دین اور شیوا بیان خطیب ہونے کے باوجود پیوستِ طبع اور تصنع سے بالکل خالی تھے اور ہم نوجوانوں میں بیٹھ کر دن بھر لطیفہ بازی کیا کرتے تھے بلکہ جب ہم لوگ رات کو وقت گزاری اور تفریح کے لئے قوالی کہتے تو مولانا اس میں شیخ مجلس کی حیثیت سے متمکن ہوتے اور مولانا داؤد غزنوی اور عبدالعزیز انصاری بعض اوقات "حال کھیلتے کھیلتے" مولانا

www.taemeernews.com

کی توند پر جا پڑتے — مولانا ہنستے بھی جاتے اور بُرا بھلا بھی کہتے جاتے۔ ایک دفعہ ہم نے مولانا کو ایک گیت سنانے پر بھی مجبور کرلیا۔ مولانا نے بہت مزے لے لے کر گیت گایا۔ وہ گیت کیا تھا۔ کسی وقت تخلیہ میں سید عطا اللہ شاہ بخاری سے سن لیجئے۔ انہیں ضرور یاد ہوگا۔

ڈاڑھی کا مسئلہ اور علمائے مصر

مولانا سے اکثر دینی مسائل پر مذاکرات بھی ہوتے اور وہ اپنے علم و فضل اور بیان کے سلجھاؤ کی وجہ سے دقیق سے دقیق چیز کو بآسانی سننے والوں کے ذہن نشین کر دیتے۔ ایک دفعہ داڑھی کے مسئلے پر بات چیت ہوئی۔ مولانا نے اپنا مسلک واضح کیا اور حدیثِ رسولؐ " قصوا الشوارب واعفوا اللحیٰ " کو دلیل میں پیش کیا۔ لیکن اس کے ساتھ ہی فرمانے لگے کہ دنیائے اسلام کے دوسرے ملکوں کے علماء اس معاملے میں اتنے شدید و متشدد نہیں ہیں جتنے ہمارے علما ہیں۔ پھر فرمایا میں چند ماہ پیشتر مصر گیا تھا۔ وہاں مجھے ایک عجیب واقعہ پیش آیا۔ نماز کے لئے ایک مسجد میں گیا۔ ابھی وضو ہی کر رہا تھا کہ محسوس کیا بعض لوگ بڑے غور سے مجھے گھور رہے ہیں۔ سوچا کہ غیر ملکی ہوں اس لئے دیکھ رہے ہوں گے۔ لیکن ایک دو منٹ کے بعد ہی ایک پوچھ بیٹھا اانت یہودی، میں نے جواب دیا۔ لا واللہ انا مسلم الحمد للہ۔ پھر اس نے کہا کہ تمہاری پھیلی ہوئی اور غیر مرتب داڑھی بالکل یہودیوں کی سی ہے۔ یہ درست نہیں — من تشبہ بقوم فھو منھم قرآن مجید کہتا ہے کہ جو شخص کسی قوم سے تشبہ پیدا

www.taemeernews.com

کرتا ہے وہ اسی قوم میں سے ہے۔ مَیں یہ سن کر بے حد پریشان ہُوا کہ ہم تو ہندوستان میں ڈاڑھی منڈانے والوں کو یہ آیت سنایا کرتے ہیں، یہاں الٹا یہی آیت ہماری ڈاڑھیوں پر منطبق کی جارہی ہے۔

نماز پڑھنے کے بعد میں سیدھا جامعہ ازہر چلا گیا کیونکہ حضرت شیخ الازہر سے ملاقات کا وقت مقرر ہو چکا تھا۔ جامعہ کے اندر جا کر جس کمرے میں جھانکتا ہوں یہی نظر آتا ہے کہ ایک فرنچ کٹ یا خشخشی ڈاڑھی والے معلم طلبہ کے سامنے کھڑے ہیں اور حدیث بخاری پر لکچر دے رہے ہیں۔ ایک قریب قریب ڈاڑھی منڈا آدمی فقہ حنفیہ کے غوامض و نکات نہایت فصیح و بلیغ عربی میں بیان کر رہا ہے۔ خیر، حسب میں رہبر کی مدد سے حضرت شیخ الازہر کے ریشنیل ڈرائنگ روم میں پہنچا تو ان کے چہرے پر میں نے پوری داڑھی دیکھی۔ علیک سلیک کے بعد پہلے تو مسئلہ خلافت اور سیاسیات عالم اسلامی پر گفتگو ہوتی رہی۔ اس کے بعد میں نے پوچھا حضرت داڑھی کے متعلق آپ لوگوں کا مسلک کیا ہے۔ میں نے تو یہاں آکر دیکھا کہ رسول اللہ کی اس سنت پر بہت ہی کم عمل ہوتا ہے اور خود علما بھی اس کے تارک ہیں۔

واجب نہیں مستحب

شیخ الازہر مسکرائے اور کہا۔ ہندوستان میں لوگ اس قسم کے غیر اہم مسائل پر تضیع اوقات کیا کرتے ہیں۔ حالانکہ اوضاع ظاہری کا معاملہ امور شرعیہ میں شامل نہیں ہے میں نے گذارش کی کہ آپ بھی تو فقہ حنفی پر عامل ہیں، اصول فقہ میں ہے۔ الامر للوجوب

www.taemeernews.com

خدا اور رسولؐ نے جن امور کے متعلق حکم دیا ہے اس کی تعمیل واجب ہے شیخ نے فرمایا کہ ہر کلیہ کا استثنا ہوتا ہے۔ ہمارے نزدیک اوضاع ظاہری میں یہ وجوب ساقط ہوجاتا ہے۔ ہم اس کو استحباب کا درجہ دیتے ہیں۔ اگر کوئی مسلمان بہ نیت اتباع رسولؐ ڈاڑھی رکھتا ہے تو اس کو یقیناً ثواب ہوگا۔ اگر منڈاتا یا ترشواتا ہے تو اس پر کوئی عذاب نہ ہوگا۔ میں خود حکم رسولؐ کی تعمیل میں ڈاڑھی رکھتا ہوں اور ثواب کا متوقع ہوں۔ میرے رفقا نہیں رکھتے۔ میں انہیں نہ گمراہ سمجھتا ہوں۔ نہ مستوجب عذاب خیال کرتا ہوں۔

جیل میں پان

مولانا احمد سعید دنیائے اسلام کے سب سے بڑے دینی مدرسے کے رئیس اعلیٰ کی یہ بحث سن کر خاموش ہوگئے اور سلام و دعا کے بعد واپس چلے آئے۔

مولانا احمد سعید پان کھانے کے عادی تھے لیکن جیل میں پان کہاں۔ قریب قریب ہر درجۂ خاص کے قیدی کو اس کے اعزہ باہر سے کچھ کھانے پینے کی چیزیں بھیجا کرتے تھے۔ ایک دو دفعہ دہلی سے مولانا کی چیزوں میں ——— ایک تھیلا گٹکے کا بھی آیا (پان بناکر اور پکا لیا اور زردہ شامل کرکے سکھا لیتے ہیں اور اس کے بعد اس کو تھیلے میں بند کر رکھتے ہیں۔ یہ گٹکا کہلاتا ہے) جس کی ایک آدھ چٹکی کھانا ختم ہونے کے بعد مجھے بھی مل جایا کرتی تھی اور پان کھانے کی طلب کسی حد تک پوری ہوجاتی تھی۔

www.taemeernews.com

طباخی میں کمال

دہلی کے مولانا عبداللہ چوڑی والے بھی ہمارے ہی وارڈ میں آگئے تھے۔ اور ہمارے باورچی خانے کے انچارج تھے لیکن ان کے آنے سے پہلے پختہ طعام کی نگرانی ہم نے مولانا احمد سعید کو سپرد کر رکھی تھی۔ کیونکہ وہ اس معاملے میں بڑے ماہر تھے اور ہمیشہ اپنے کمالاتِ طباخی کا ثبوت دیتے رہتے تھے۔ وہ ہم سب سے پہلے اپنی بیک سالہ میعادِ قید ختم کر کے رہا ہو گئے۔ ہماری مجلس شیخ مجلس کے جانے کے بعد سونی ہو گئی اور میری اور عبدالعزیز انصاری کی تعلیم عربی بھی ادھوری رہ گئی۔

دلکش خطابت

عام گفتگو میں مولانا کا انداز بیان نہایت دلکش معصومانہ اور خندہ آور تھا۔ اور ان کے پاس بیٹھنے والے گھنٹوں ان کی باتیں سنتے اور اکتاہٹ کے بجائے دمبدم دلچسپی میں اضافہ ہی ہوتا چلا جاتا۔ یہی حالت خطابت و تقریر کی تھی۔ مولانا نہایت ٹھیٹھ دہلوی روزمرے میں جس میں کرخنداروں کے مخصوص محاورات کی چاشنی بھی ہوتی تھی۔ گھنٹوں تقریر فرماتے اور ہزارہا کا مجمع نقش بدیوار ہو کر ان کے ارشادات سنتا رہتا۔ جہاں کہیں ان کے وعظ کا اعلان ہوتا۔ خلقت ہر طرف سے ٹوٹ پڑتی۔ میں عمر بھر بہت ہی کم جلسوں میں شامل ہوا ہوں لیکن جس زمانے میں اہل بدعت نے سلطان ابن سعود کے خلاف ملک میں ہنگامہ برپا

www.taemeernews.com

کر رکھا تھا اور یہ الزام عاید کیا تھا کہ وہابی سپاہیوں نے روضہ اطہر پر گولیاں چلائی ہیں۔ اس فتنے کو فرو کرنے کے لئے مولانا محمد علی اور مولانا احمد سعید دہلی سے لاہور تشریف لائے تو میں صرف مولانا احمد سعید کی تقریر سننے کے لئے باغ بیرون دہلی دروازے کے عظیم الشان جلسے میں شامل ہوا۔ اور مولانا کی شیوا بیانی کی یاد اب تک اپنے دماغ میں محفوظ پاتا ہوں۔

تصانیف

مولانا کے کمالات صرف تقریر تک محدود نہیں ہیں بلکہ آپ نے متعدد سلیس و مفید کتابیں بھی لکھی ہیں۔ دوزخ کا کھٹکا۔ جنت کی کنجی۔ رسولؐ کی باتیں۔ مضامین احمد سعید۔ تقاریر احمد سعید۔ شوکت آرا بیگم۔ اور متعدد دیگر رسائل جو چھپ کر مقبول عام ہو چکے ہیں۔ اگرچہ مولانا کی عمر اسی کے قریب ہو چکی ہے لیکن تصنیف و تالیف کا مشغلہ برابر جاری ہے۔ آج کل "عام فہم اردو" میں تفسیر قرآن لکھ رہے ہیں۔ جس کی چند سورتیں شائع ہو چکی ہیں۔ اللہ تعالیٰ تکمیل کی مہلت عطا فرمائے۔

آپ نے تقسیم کے بعد انتہائی ابتلا و آزمائش کے کوائف کے باوجود دہلی ہی میں مقیم رہنا پسند فرمایا۔ اور وہیں مسلمانوں کی خدمت میں مصروف ہوئے۔ مجھے تقسیم کے بعد دو دفعہ دہلی جانے کا اتفاق ہوا ہے۔ دونوں موقعوں پر میں حصول نیاز کے لئے حاضر خدمت ہوا۔ حسب عادت نہایت محبت اور بے تکلفی سے پیش آئے۔ پہلی دفعہ پنڈت رام ناتھ (سابق میجر انقلاب)

www.taemeernews.com

ساتھ تھے۔ دوسری بار پروفیسر صوفی غلام مصطفےٰ تبسم کی معیت میں حاضر ہوا کہن سالی کے باوجود مولانا کی صحت بہت اچھی ہے۔ چہرے پر بدستور سرخی اور بشاشت کا نور نمایاں ہے۔

www.taemeernews.com

خواجہ حسن نظامی

خواجہ حسن نظامی کی شخصیت اپنی گوناگوں خصوصیات کی وجہ سے پورے برصغیر میں مثال نہ رکھتی تھی۔ وہ حضرت نظام الدینؒ اولیا کے خاندان سے متعلق تھے ان کی ابتدائی عمر ناداری اور کس مپرسی میں بسر ہوئی۔ لیکن طبیعت کی سادگی، ہمت کی بلندی اور عدیم المثال جفاکشی کے باعث وہ اس ناداری میں بھی خوش و خرم رہتے تھے۔ کتابوں کا گٹھا اٹھا کر کوچہ و بازار میں فروخت کر کے معاش پیدا کرتے تھے۔ لیکن دفعتہً مضمون نگاری کا شوق پیدا ہوا اور دیکھتے ہی دیکھتے وہ اردو کے ایک صاحب طرز انشا پرداز بن گئے۔ ان کی تحریر سادگی اور البیلے پن کا مرقع تھی پیش پا افتادہ موضوع کو لے کر اس میں اپنی جودت طبع اور جدت فکر سے جان

www.taemeernews.com

ڈال دیتے تھے خصوصاً عوام کے لئے ان کے مضامین میں بڑی کشش تھی۔ کیونکہ وہ انہیں آسانی سے سمجھ بھی لیتے تھے اور متاثر بھی ہوتے تھے۔ ادب و انشا کی شہرت کے ساتھ ہی ساتھ ان کے یاران طریقت کا دائرہ بھی وسیع ہوتا گیا اور ملک کے مختلف حصوں میں ان کے مریدوں کی تعداد ساٹھ ستر ہزار سے بھی متجاوز ہو گئی۔ ان کی چھوٹی بڑی کل تصانیف ملاکر دو سو سے زیادہ ہوں گی۔ جن کے ایڈیشن کے ایڈیشن دھڑا دھڑ فروخت ہوتے تھے اور خواجہ صاحب کی دولت میں روز بروز اضافہ ہوتا چلا جاتا تھا۔ انہوں نے بیسیوں رسالے۔ ہفتہ وار اخبار اور روزنامے جاری کئے اور بند کئے۔ نظام المشائخ۔ توحید۔ عادل۔ منادی اور خدا جانے اور کون کون سے پرچے ان کے فیض تحریر سے مقبول عام ہوئے جن میں سے ایک منادی آخر تک جاری رہا۔ جس میں خواجہ صاحب اپنا روزنامچہ لکھا کرتے تھے۔ اس روزنامچے کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ فقرا و ساکین سے لیکر امرا و سلاطین اور حکام اعلیٰ تک۔ ہندوستانیوں سے لیکر یورپینوں تک ہندو۔ مسلمان۔ یہودی۔ عیسائی۔ سکھ۔ پارسی۔ غرض ہر مذہب و ملت کے لوگوں سے خواجہ صاحب کے مخلصانہ تعلقات تھے۔

غدر دہلی کے افسانے

خواجہ صاحب کی کتابیں تو بے شمار ہیں لیکن سب سے زیادہ دلاویز اور موثر اور پُر درد "غدر دہلی کے افسانے" ہیں جو خواجہ صاحب نے دہلی کے بڑے بوڑھوں اور بڑی بوڑھیوں سے باتیں کرنے کے بعد اپنے مخصوص اور

www.taemeernews.com

دلکش انداز میں لکھے ہیں، ان کے پڑھنے سے وہ تمام مصائب نظروں کے سامنے آجاتے ہیں جو ۵۷ء کے ہنگامے میں اور اس کے بعد مغلوں کے آخری بادشاہ اس کے اعزہ و متوسلین اور عام مسلم معاشرے کو پیش آئے۔ اگر خواجہ صاحب اس کتاب کے سوا اور کچھ بھی نہ لکھتے۔ جب بھی وہ اردو کے بے مثال انشاپرداز تسلیم کر لئے جاتے۔

خصائل و شمائل

بلند قامت۔ دبلے پتلے آدمی تھے۔ بھری سی ڈاڑھی، سر پر درویشوں کی سی نکیلی ٹوپی۔ بر میں لمبا کرتہ اور لمبا فرغل ٹانگوں میں ایک برکا کھلا پاجامہ پہنتے۔ چہرے کا رنگ کھلتا ہوا گندمی، آنکھیں چمکیلی اور سنجنگو۔ بشرے پر شرافت و شفقت اور خلوص و دردمندی کا اثر ہویدا تھا۔ تقریر و تحریر دونوں عام فہم، سادہ اور نکتہ طرازانہ درگاہ خواجہ نظام الدینؒ کے پاس اپنے سیدھے سادے مکان میں فرش پر تکیہ لگا کر بیٹھتے اور دنیا بھر کے معززین سے معزز اور فرنگی مآب ملاقاتیوں کو بھی اس فرش پر آلتی پالتی مار کر بیٹھنا پڑتا۔ پان بہت کھاتے تھے۔ خاصدان اور اگال دان ہمیشہ پاس دھرے رہتے۔ طبیعت میں خشکی کا نام نہ تھا۔ مزاح و تفنن کی داد دیتے۔ لیکن کبھی قہقہہ مار کر نہ ہنستے۔ لبوں پر صرف ہلکا سا تبسم نمودار ہوتا۔

پہلی ملاقات

خواجہ صاحب سے میری پہلی ملاقات دارالاشاعت میں ہوئی۔ جب

www.taemeernews.com

خواجہ صاحب مولوی سید ممتاز علی سے ملنے آئے۔ مَیں اور امتیاز علی تاج خواجہ صاحب کی تحریروں کے بے حد مداح تھے۔ ہم دونوں نے عقیدتمندانہ ان کا نیاز حاصل کیا۔ ان دنوں مَیں نے ٹیگور کے ڈرامے چترا کا ترجمہ کیا تھا۔ جس کے جستہ جستہ مقامات خواجہ صاحب نے سنے۔ قدر افزائی فرمائی اور کہا کہ مَیں اس پر دیباچہ لکھوں گا۔ چنانچہ خواجہ صاحب کا لکھا ہوا دیباچہ شاملِ کتاب ہے۔

"چُونی"

۱۹۲۳ء کے آغاز میں امتیاز نے مجھ سے ذکر کیا کہ بھارت بیاکل تھیٹریکل کمپنی کے ایک نو عمر ایکٹر چونی لال پر خواجہ صاحب کی خاص نظرِ عنایت ہے اور وہ اس کی روشن پیشانی میں شاہدِ ازل کا جلوہ دیکھتے ہیں۔ مجھے شوخی جو سوجھی۔ تو مَیں نے پرسشِ مزاج کے عنوان سے تین چار اشعار فارسی میں لکھ کر "گمنام" کی طرف سے خواجہ صاحب کو ڈاک میں بھیج دیئے۔ جن میں سے صرف تین یاد رہ گئے ہیں۔ ؎

اے خواجۂ نامدار چُونی
در صحبتِ گلعذار چونی
من در ہجرِ تو ایں چنینم
تو در پہلوئے یار چونی
در حسرتِ قربِ ذاتِ بیچوں
اے صوفیِ ہرزہ کار چونی

کچھ مدت بعد جب خواجہ صاحب لاہور آئے اور دفتر زمیندار میں ملاقات ہوئی۔

www.taemeernews.com

تو دوران گفتگو میں میں نے پوچھا "حضرت خواجہ صاحب۔ وہ چونی لال آجکل کہاں ہے" یہ سن کر نہایت غور سے میری طرف دیکھا اور کہا "اچھا۔ تو یہ آپ تھے ؟" میں بے اختیار ہنس دیا۔ کہنے لگے کچھ نہیں۔ وہ ایک چند روزہ تاثر تھا۔ لیکن آپ نے شعر خوب لکھے۔

تبلیغ اسلام

جب یوپی میں فتنہ ارتداد کے شعلے بلند ہوئے۔ آریہ سماجیوں نے "ملکانہ راجپوتوں کو شدھ کرنا شروع کیا اور ہندوستان بھر کے مسلمانوں میں تبلیغ اسلام اور انسداد ارتداد کی تحریک برپا ہوئی۔ تو خواجہ صاحب نے اپنے انداز میں تبلیغ اسلام کی کامیابی کی تدبیریں بتانی شروع کیں۔ ایک پمفلٹ شائع ہوا جس میں دوسری تدبیروں کے علاوہ ایک یہ تدبیر بھی بتائی کہ طوائفیں جو اکثر مسلمان ہیں اپنے ہاں آنے والوں کو مسلمان بنانے کی کوشش کریں۔ اس پر ہندو اخباروں نے مسلمانوں اور ان کے مسلموں پر بے پناہ حملے کئے اور مسلمان حلقوں میں بھی خواجہ صاحب کی اس مجوزہ تدبیر کی ہنسی اڑائی گئی۔

رئیس الاحرار سے نزع

جن دنوں مولانا محمد علی دہلی سے اپنا روزنامہ "ہمدرد" نکالتے تھے۔ انہیں کہیں سے معلوم ہوا کہ خواجہ حسن نظامی نے چیف کمشنر دہلی سے مولانا کی شکایت کی ہے اور ان کی گرفتاری کا مشورہ دیا ہے۔ خدا جانے اس افواہ میں کوئی حقیقت

www.taemeernews.com

بھی تھی یا نہیں۔ لیکن مولانا محمد علی کی جنگجوئی نے خواجہ صاحب کے خلاف ایک باقاعدہ محاذ قائم کر لیا۔ اور "ہمدرد" میں ختم خواجگی کے عنوان سے خواجہ صاحب کے خلاف پے در پے افتتاحیے لکھنے شروع کر دیئے۔ پہلے تو خواجہ صاحب طرح دیتے رہے لیکن جب رئیس الاحرار کا غصہ کسی طور سے فرو نہ ہوا۔ تو انہوں نے "غریبوں کا اخبار" نکال کر مولانا پر تابڑ توڑ حملے کئے اور منادی میں بھی لکھنے لگے۔ ادھر یار لوگوں نے منادی کے مقابلے میں "سنادی" نکالا۔ دوسری طرف سے "اڑادی" نکلا غرض دو تین مہینے تک خوب گھمسان کی لڑائی ہوئی اور دونوں انشا پردازوں کے جوہر کھلے۔ آخر حکیم اجمل خاں اور بعض دوسرے سنجیدہ حضرات کی مساعی مصالحت سے یہ ہنگامہ فرو ہو گیا۔ لیکن انصاف کی بات یہ ہے کہ قوت تحریر میں مولانا محمد علی اور عام پسند نشر و اشاعت کی وسعت کے اعتبار سے خواجہ صاحب کامیاب رہے اور یہ کشتی برابر سرابر چھڑا دی گئی۔

جھٹکۃ المشائخ

سنہ ۱۹۴۳ء میں میری بڑی بیٹی کی شادی پر جہاں مقامی اکابر نے تشریف لاکر مجھے عزت بخشی وہاں خواجہ صاحب دہلی سے آکر شریک ہوئے اور مجھے بندہ احسان بنا لیا۔ میرا معاملہ خواجہ صاحب کے ساتھ اسی قسم کا تھا کہ چوٹیں بھی چلتی رہتی تھیں اور نیاز مندی بھی پورے خلوص سے جاری رہتی۔ چنانچہ انہی دنوں جب خواجہ صاحب نے اپنے اخبار میں جھٹکے کے گوشت کو حلال بتایا تو میں نے "افکار و حوادث" میں دہلی کے "حضرت جھٹکۃ المشائخ" کو خاصا رگڑا دیا۔ اتفاق کی بات انہی دنوں مہاراجا صاحب

www.taemeernews.com

کپور تھلہ کی بنائی ہوئی مسجد مکمل ہوئی تھی۔ اور مجھے مہاراجہ نے اس کے افتتاح کی تقریب میں شرکت کی دعوت دے رکھی تھی۔ میں کپورتھلہ گیا تو معلوم ہوا کہ مہاراج کے محل کی وسیع گراؤنڈ میں مہمانوں کے لئے بہت سے خیمے نصب ہیں۔ میں ان خیموں کے درمیان سیر کر رہا تھا کہ کسی نے بتایا کہ وہ خواجہ حسن نظامی کا خیمہ ہے اگرچہ "افکار" کی اشاعت کے باعث میری طبیعت میں ایک خفیف سا حجاب تھا۔ لیکن میں چوں نوں کر کے خواجہ صاحب کے خیمے میں داخل ہو ہی گیا۔ وہاں دیکھا کہ ایک تپائی کے گرد چند کرسیوں پر بعض حکام ریاست بیٹھے ہیں۔ سامنے خواجہ صاحب رونق افروز ہیں اور تپائی پر "انقلاب" کا وہی پرچہ پڑا ہے جس میں خواجہ صاحب کو جھٹکۃ المشائخ کا خطاب دیا گیا تھا۔

متانت اور عمر کا تعلق

خواجہ صاحب مجھے دیکھتے ہی اٹھ کھڑے ہوئے۔ بہت تپاک سے گلے ملے۔ مزاج پرسی کے بعد ابتدائی باتیں ختم ہوئیں تو خواجہ صاحب نے مجھ سے سوال کیا "سالک صاحب آپ بڑے نکتہ رس آدمی ہیں۔ بھلا یہ تو بتایئے انسان میں متانت کس عمر میں آجاتی ہے؟" (میں سمجھ گیا کہ یہ مجھ پر چوٹ ہے کہ تمہاری عمر ۴۰ برس کی ہونے کو آئی لیکن اب تک غیر متین ہو) میں نے نہایت سو کھا سا منہ بنا کر جواب دیا "حضرت بات یہ ہے کہ متانت اور عمر کا تعلق کچھ اعتباری سا ہے۔ بعض لوگ پیدائشی متین ہوتے ہیں۔ لیکن بعض صوفیہ کرام تک کو دیکھا ہے کہ پچاس پچاس برس کے ہو گئے لیکن رہے وہی مسخرے کے مسخرے ــــــ

www.taemeernews.com

محفل کی خاموشی ٹوٹ گئی۔ایک عام قہقہہ بلند ہؤا جس میں خواجہ صاحب نے بھی سر ہلا کر اور مسکرا کر حصہ لیا اور نکتہ رسی کی داد دی۔

ایمان خانہ اور مقامات

ایک دفعہ کا ذکر ہے میں ریڈیو پر تقریر کرنے کے لئے دہلی گیا ہؤا تھا۔ جب خواجہ صاحب کی زیارت کے لئے نظام الدین حاضر ہؤا تو بڑے تپاک سے ملے، اس وقت کرنل مقبول حسین قریشی (بہاولپور) بھی موجود تھے۔ تھوڑی دیر بعد خواجہ صاحب مجھے ساتھ لے کر درگاہ دکھانے کے لئے چلے۔ خواجہ صاحب کے گھر سے ایک زینے پر چڑھ کر دوسری طرف اترے تو یہ ایک معمولی سا کمرہ تھا۔ خواجہ صاحب نے فرمایا یہ "ایمان خانہ" ہے۔ میں نے کہا اسی پر کیا موقوف ہے، اس نواح کے تو سبھی مکان ایمان خانے ہیں۔ ہم جہاں سے اٹھ کر آئے ہیں کیا وہ "بے ایمان خانہ" تھا؟ ہنس دیتے اور کہنے لگے۔ آپ "افکار" لکھتے ہی نہیں بولتے بھی ہیں۔ اس کے بعد ایک کمرے میں چند طاق دکھائے۔ جن میں سے کسی پر مقام آدمؑ۔ کسی پر مقام موسیٰؑ، کسی پر مقام ابراہیمؑ لکھا تھا۔ ایک مقام خالی تھا۔ میں نے پوچھا یہ کیا ہے کہنے لگے۔ یہ میں نے اپنے لئے مخصوص کر رکھا ہے میں نے کہا تو اس پر لکھ دیجئے مقام مخصوص ہے! یہ سن کر بہت شگفتہ ہوئے اور کہنے لگے۔ اب آپ درگاہِ خواجہ میں داخل ہو رہے ہیں۔ اس لئے تفنن برطرف۔ چنانچہ میں نے فاتحہ پڑھی اور رخصت ہؤا۔

www.taemeernews.com

حسرت خواجہ صاحب کی خدمت میں

اس کے بعد جب ایک دفعہ میں دہلی گیا تو ان دنوں چراغ حسن حسرت ریڈیو (دہلی) میں ملازم تھے۔ وہ کہنے لگے۔ سالک صاحب۔ میں کبھی خواجہ حسن نظامی سے نہیں ملا۔ اگر آپ اُن کی طرف جائیں تو مجھے بھی ساتھ لے چلئے گا۔ میں نے دوسرے ہی دن صبح احمد شاہ بخاری کی موٹر کار میں حسرت کو بٹھا کر نظام الدین کا رخ کیا۔ وہاں پہنچے۔ میں نے حسرت کا تعارف کرایا۔ حسرت خواجہ صاحب کی خدمت میں مؤدبانہ بیٹھے اور پہلی ملاقات کی وجہ سے تکلف فرما رہے تھے۔ ایک صوفی صافی اور پیر طریقت کی محفل۔ آس پاس عقیدت مند سر جھکائے ہوئے۔ حسرت صاحب مسلسل سگرٹ پینے والے بار بار اپنا ہاتھ جیب کی طرف لے جاتے اور کچھ سوچ کر رہ جاتے۔ میں نے دیکھا کہ حسرت سگرٹ نہ پینے کی وجہ سے بہت مضطرب ہیں۔ اس زمانے میں خواجہ صاحب نے کسی بیماری کی وجہ سے اپنے لمبے لمبے گیسو ترشوا دیئے تھے۔ میں نے حسرت سے کہا: "حسرت صاحب۔ آپ شوق سے سگرٹ پیجئے۔ اب تو خواجہ صاحب کیس کٹوا چکے ہیں۔ خواجہ صاحب نے داد دی۔ اور حسرت نے شگفتہ ہو کر اپنا سگرٹ کیس جیب سے نکال لیا اور کش پہ کش لگانے لگے۔

آخری ملاقات

سنہ ۱۹۵۳ء میں میں ایک مشاعرے کے سلسلے میں دہلی گیا۔ ارادہ تھا۔ کہ

www.taemeernews.com

خواجہ صاحب کی خدمت میں حاضری دوں۔ خواجہ صاحب بیمار تھے۔ اس لئے عیادت بھی ضروری تھی۔ لیکن ابھی میں ارادہ ہی کر رہا تھا کہ اخبار نویسوں کی ایک پارٹی میں جانے کا اتفاق ہوا۔ جہاں خواجہ صاحب کو رونق افروز پاکر مجھے تعجب ہوا۔ میں نبلگیر ہوا اور عرض کی "حضرت۔ آپ تو بالکل فریش بستر علالت تھے آپ نے کیوں تکلیف فرمائی"۔ کہنے لگے میں نے سنا تھا۔ سالک صاحب آئے ہیں۔ میں نے کہا یا قسمت یا نصیب۔ پھر ملاقات کا موقع ملے یا نہ ملے۔ اس لئے دو تین دوستوں کا سہارا لے کر موٹر کار سے یہاں تک پہنچا ہوں۔ خواجہ صاحب بے حد لاغر و نحیف ہو رہے تھے۔ میں دیکھ کر آبدیدہ ہو گیا۔ کہنے لگے۔ نہیں نہیں اب میں اچھا ہوں اور اچھا نہ بھی ہوں گا تو آخر ایک دن مولا کے دربار میں حاضر ہونا ہی ہے۔ اس میں رنج کی کیا بات ہے۔ اس دن خواجہ صاحب نے مجھ سے بہت ہی گھل مل کر باتیں کیں اور پرانے پرانے واقعات یاد کرتے رہے۔ دل میں کھٹکا تھا کہ یہ آخری ملاقات ہے۔ چنانچہ یہی ہوا۔ اس کے بعد نہ خواجہ صاحب پاکستان آئے نہ میں دہلی جا سکا۔

ہندوستان میں مسلمان یوں بھی مشتبہ ہیں اور اردو زبان کی حوصلہ افزائی کا تو کوئی امکان ہی نہیں۔ پاکستان میں بے حسی عام ہے اور ہندوستانی شہریوں سے بیگانگی برتی جاتی ہے چنانچہ خواجہ حسن نظامی جیسے عالی پایہ اور جلیل القدر ادیب۔ انشا پرداز۔ صحافی شیخ اور عالم کے انتقال پر دونوں ملکوں کے جرائد و عمائد نے جو اظہار افسوس کیا وہ ہرگز اس عظیم شخصیت کے شایان شان نہ تھا۔ مختلف مقامات پر بعض اہل طریقت نے دعائے مغفرت کی اور بعض ادبی حلقوں نے تعزیت کی قرار دادیں منظور کیں اور بس۔ کیا آئندہ ہمارے نابغہ ناز علمی و ادبی بزرگوں کا یہی حشر ہوتا رہے گا؟

www.taemeernews.com

حکیم فقیر محمد چشتی

۱۹۱۴ء میں جب میں نے اپنے رسالہ "فانوسِ خیال" کے اجرا کے سلسلے میں لاہور کا سفر کیا تو حکیم فقیر محمد چشتی سے ملاقات ہوئی جو ان دنوں وچھو والی میں آریہ سماج مندر کے قریب ایک بالاخانے میں مطب کرتے تھے۔ اس دن سے جو تعلقات قائم ہوئے وہ حکیم صاحب کے انتقال کے دن تک انتہائی خلوص کے ساتھ روز افزوں ہوتے رہے۔ حکیم صاحب اپنے اخلاق و عادات اور اپنی وضعداری کے اعتبار سے مشرقی تہذیب کا بہترین نمونہ تھے۔ ظاہری وضع و لباس میں بھی جو انداز پہلے دن اختیار کر لیا تھا وہی عمر بھر قائم رہا۔ بالا بلند، وجیہہ، شکیل اور جاذب آدمی تھے۔ سر پر پشاوری لنگی پشاوریوں ہی کے انداز سے باندھتے تھے۔ سیاہ

www.taemeernews.com

فراک کوٹ زیب تن ہوتا۔ کالر نکٹائی لگاتے اور شلوار اور بوٹ پہنتے۔ نہائت خوشنما فرنچ کٹ داڑھی تھی۔ اس وضع و لباس جہاں کہیں بیٹھتے مجلس آراستہ ہو جاتی۔ لباس کی تیاری میں بے انتہا اہتمام کرتے۔ مثلاً کوٹ کی سلائی کبھی تیس پینتیس روپے سے کم نہ ہوتی تھی حالانکہ اس زمانے میں عام اجرت پانچ چھ روپے سے زیادہ نہ تھی۔ آپ کے خاص احباب میر حسین علی (مزنگ) میر سردار حسین رئیس (چونی منڈی) اور خان بہادر میاں سراج الدین (کشمیری بازار) بھی بالکل یہی وضع رکھتے۔ جہاں بیٹھ جاتے۔ مجلس شاندار ہو جاتی۔ ایک دفعہ سید احمد شاہ بخاری نے کہا تھا کہ حکیم صاحب لوگوں کو چاہیئے آپ کو اور آپ کے دوستوں کو شادی بیاہ کے موقعوں پر کرایہ دے کر بلا لیا کریں۔ برات خواہ مخواہ معتبر معلوم ہوگی۔

وچھو والی کا بالاخانہ چھوڑ کر وہیں ایک وسیع مکان لے لیا تھا کچھ مدت بعد وہاں سے سوتر منڈی (اندرون لوہاری دروازہ) نواب غلام محبوب سبحانی کی حویلی میں اٹھ آئے۔ پھر یہاں سے اس دن اٹھے۔ جب "بارود خانہ میں شفا منزل" کی عالیشان عمارت بن گئی۔

مشرقیت اور وضعداری

حکیم صاحب عمر بھر خوشحال رہے وہ چاہتے تو اپنے کمروں کو بہترین مغربی انداز میں آراستہ کر سکتے تھے۔ لیکن کرائے کے مکانوں میں کیا۔ اور اپنے مملوکہ مکان میں کیا۔ ان کے ہاں ایشیائی طریقے کا فرش لگا رہتا اور قالین بچھے رہتے ایک طرف دیوار کے ساتھ گاؤ تکیہ لگا ہے۔ سیتل پاٹی پر حکیم صاحب رونق افروز ہیں۔

www.taemeernews.com

ان کے آگے مخصوص اور قیمتی ادویہ کا صندوقچہ رکھا ہے آس پاس لکھنے پڑھنے کا سامان۔ کچھ کتابیں اور اخبار پڑے ہیں۔ بڑے بڑے دولت مند اور پتلون پوش لوگ آتے تھے اور اسی فرش پر آلتی پالتی مار کر بیٹھ جاتے تھے۔

آٹھوں گانٹھ کمیت

حکیم صاحب نہایت حاذق و ماہر طبیب تو تھے ہی لیکن بعض دوسرے کمالات سے بھی بہرہ ور تھے۔ مثلاً اعلیٰ درجے کے خطاط۔ چابکدست مصور۔ خوش بیان شاعر۔ زبان دان اور مزاحی انشا پرداز بھی تھے۔ میں ان پر "آٹھوں گانٹھ کمیت" کی پھبتی کہتا۔ اور وہ کہا کرتے تھے۔ کیا سائیسوں کی زبان بولتے ہو۔ پھبتی اور ضلع جگت میں ان کی مثال دور دور نہ تھی حاذق الملک حکیم عبدالمجید خاں دہلوی کے شاگرد اور حکیم اجمل خاں کے ہم سبق تھے۔ چند سال دہلی کے طبی کالج میں پڑھنے اور ثقات کی صحبت میں رہنے کی وجہ سے زبان منجھ گئی تھی اور محاورات روزمرہ سے کماحقہ واقفیت ہو گئی تھی۔

پھبتیاں

خان بہادر میاں سراج الدین کے ہاں کشمیری بازار کے ایک مکان میں ہر روز شام کے وقت ایک پاکیزہ محفل جمتی جس میں خاص احباب جمع ہوتے اور کبھی کبھی رقص و سرود کا شغلہ بھی ہوتا۔ یہاں حکیم صاحب کی چھیڑیاں خاص سماں پیدا کرتیں۔ بات سے بات پیدا کرتے اور جس کو پھبتیوں کا نشانہ بنا لیتے وہ خدا کی پناہ مانگتا۔ ایک ہمنشیں کے سر پر نہایت صاف شفاف ٹٹری تھی اور سر کے تین اطراف میں بالوں کی ایک جھالر سی تھی۔ جیسے

www.taemeernews.com

عام طور پہ ٹٹری والوں کے ہوا کرتی ہے اور یہ صاحب ان بالوں کی تراش خراش سے غافل نہ کر اس حجام کو اور بھی زیادہ نمایاں ہونے کا موقع دے دیتے۔ ایک دن انکی شامت جو آئے تو وہ حکیم صاحب کو چھیڑ بیٹھے۔ بس پھر کیا تھا حکیم صاحب نے پھبتیوں کا جھاڑ باندھ دیا کہنے لگے پہلے سر پہ سے کنگھی اتار کے آؤ۔ پھر بات کرو۔ وہ کہنے لگے حکیم جی تم تو سر پہ چڑھے آتے ہو۔ جواب دیا۔ ارے۔ تمہارے سر پہ چڑھ کر کسی کو پھسلنا ہے؟ تم تو چکنے گھڑے ہو۔ لیکن میں تو بندہ نہیں ہوں۔

ایک دفعہ ایک طوائف کے ہاں کسی مریض کو دیکھنے گئے۔ طوائف بہت خوش مزاج تھی۔ اور حکیم صاحب کے لطائف کی قدردان۔ چنانچہ یہ وہاں پہنچکر بہت چہکنے لگے۔ ایک سیاہ فام میراسی بیٹھا ہوا اپنی کالی کالی پنڈلی کھجا رہا تھا اور خشکی کی وجہ سے اس کی پنڈلی پہ سفید سفید لکیریں پڑ جاتی تھیں۔ حکیم جی نے طوائف سے پوچھا۔ کیا اس لڑکے کو سکول میں بٹھا دیا ہے؟ وہ کہنے لگی۔ نہیں تو۔ فرمانے لگے۔ یہ سلیٹ پنسل لئے سوال نکال رہا تھا میں نے کہا شاید مدرسے میں پڑھتا ہے۔ کالی پنڈلیوں پر سفید لکیروں کی یہ پھبتی طوائف کو بہت پسند آئی۔ اتنے میں ایک ملازمہ سامنے آگئی۔ اس کا رنگ کالا تھا لیکن وہ جالی کا کرتا پہنے ہوئے تھی۔ حکیم صاحب نے اس کو دیکھ کر کہا۔ یوں نظر آتا ہے جیسے باورچی خانے میں سفیدی کرا رکھی ہو۔

نجو طوائف

ایک دفعہ میں اور حکیم صاحب موچی دروازے کے اندر ایک امام باڑے میں میر بہادر حسین ارم لکھنوی کا مرثیہ سننے گئے۔ ابھی مجلس شروع نہ ہوئی تھی اور ایک جانب

www.taemeernews.com

برآمدے میں کچھ طوائفیں جمع ہو رہی تھیں۔ ان میں سب سے نمایاں نجو تھی۔ کھلا ہوا چمپئی رنگ سر پر ایک سفید ریشمی دوپٹہ جس کے کنارے پر چوڑا نقرئی لیس لگا ہوا تھا۔ میں نے حکیم صاحب سے کہا۔ ملاحظہ فرمایا آپ نے ؟ ڈبیا کا انگور ہے۔ تشبیہ تمام تھی۔ بہت داد دی۔ پھر فرمایا ذرا میری بھی سنو۔ عرض کیا کہیئے۔ فرمایا " خمیرہ گاؤزبان بہ ورقِ نقرہ پیچیدہ " میں اس طبیبانہ تشبیہ پر پھڑک گیا۔

یہی نجو ایک دن حکیم صاحب کے پاس مطب میں بیٹھی تھی۔ میں جو پہنچا تو حکیم صاحب نے اس سے کہا۔ یہ تمہارے شہر کے بہت بڑے شاعر اور ادیب سالک صاحب ہیں۔ آداب بجالاؤ۔ وہ سروقد اٹھ کھڑی ہوئی اور جھک کر آداب بجالائی پھر مجھ سے کہا۔ کہ یہ لاہور کی مشہور طوائف نجو ہیں۔ آپ اس کوچے سے نابلد ہیں۔ لیکن نام تو سنا ہی ہوگا۔ میں نے کہا۔ جی ہاں نام تو سنا ہے لیکن نجو بھلا کیا نام ہوا فرمانے لگے لوگ نجو نجو کہہ کر پکارتے ہیں پورا نام تو نجات المومنین ہے !

ایک دفعہ میں اور حکیم صاحب تانگے میں سوار مکلوڈ روڈ پر جا رہے تھے کہ سامنے سے کیتھیڈرل سکول کے بچوں کی لاری گزری جس میں بہت سے بچے سوار تھے۔ اور ایک بڑھیا بطور نگران ساتھ بیٹھی تھی۔ میں نے کہا حکیم صاحب " ذبح اطفال " جا رہا ہے۔ ہنسے اور فرمایا۔ وہ بیچ میں " ام الصبیان " بھی بیٹھی ہے۔

ایک دن میں نے کہا حکیم صاحب کئی ذی استطاعت مریض آتے ہیں۔ نسخہ لکھوا کر لے جاتے ہیں اور دیتے دلاتے کچھ بھی نہیں۔ آپ فیس کیوں طلب نہیں کرتے۔ آخر اس میں شرم کی کیا بات ہے۔ ہنس کر فرمانے لگے۔ اجی مانگنے کی کیا ضرورت " فقیر " کی صورت ہی سوال ہے۔

www.taemeernews.com

ایک انگریز کا علاج

حکیم صاحب کے لطیفوں کی دلفریبی نے مجھے اس قدر بے خود کر دیا کہ ان کے کمالات کا ذکر رہ ہی گیا۔ حکیم صاحب کی حذاقت ہر طبقے میں مسلّم تھی۔ اگر پنجاب کا کوئی مریض مسیح الملک حکیم اجمل خاں کے مطب میں جاتا تو وہ یہی فرماتے کہ جب لاہور میں فقیر محمد موجود ہے تو میرے پاس کیوں آتے ہو۔ آپ کی وضعداری ابنائے زمانہ میں بےنظیر تھی۔ جس سے ایک دفعہ تعلق پیدا ہو جاتا اس سے عمر بھر یکساں سلوک کرتے۔ اور جن اشخاص سے ذرا بھی خصوصیت یا ہم مذاقی پیدا ہو جاتی ان سے کبھی علاج کی فیس وصول نہ کرتے اور دوستوں پر جان و مال قربان کرنے میں کبھی دریغ نہ فرماتے۔ غریب مریضوں سے کچھ لینا تو درکنار اکثر انہیں دواخانے سے دوائیں مفت دلوا دیا کرتے آخری ایام میں تو ان کی حذاقت کا شہرہ بالائی طبقے میں بھی ہو گیا تھا اور بڑے بڑے فرنگی آب امرا بلکہ خود انگریز بھی آپ سے علاج کرایا کرتے تھے۔ ایمپرس روڈ پر ایک انگریز رہتا تھا۔ وہ بہت سے ڈاکٹروں سے علاج کرا چکا تھا۔ ایک دن اس کے خانساماں نے کہا۔ صاحب۔ ڈاکٹر تمہارا علاج نہیں کر سکیں گے۔ ہمارے حکیم جی سے علاج کراؤ۔ پہلے تو انگریز نہ مانا۔ آخر کہنے لگا۔ اچھا حکیم کو بلا لاؤ۔ حکیم جی نے نبض پر ہاتھ رکھا اور چھوتے ہی کہہ دیا کہ آپ تو IMPOTENT (نامرد) ہو چکے ہیں۔ وہ اٹھ کر بیٹھ گیا۔ اور پوچھنے لگا۔ آپ کو کس نے بتایا؟ حکیم صاحب نے کہا کہ نبض سے صاف معلوم ہو رہا ہے۔ صاحب بہادر کی سمجھ میں یہ بات نہ آئی۔ لیکن اس نے کہا ہم آپ سے ضرور علاج کرائیں گے۔ حکیم صاحب نے نسخے لکھے۔ جوشاندے۔ مکوا اور طلا اور

www.taemeernews.com

لالہ بلا۔ صاحب بہادر ان دواؤں سے بہت گھبراتے تھے لیکن انہوں نے پوری پابندی سے تین مہینے علاج کرایا۔ حکیم صاحب کی خدمت میں خاصی رقم پیش کی۔ اور دو مہینے کے بعد سنا کہ وہ اپنے ایک اینگلو انڈین ہمسائے کی لڑکی کو اغوا کر کے لے گیا ہے۔ میں نے حکیم صاحب سے کہا: "حضرت گو قانون آپ کو کچھ نہ کہے لیکن اس اغوا میں اعانت مجرمانہ کا ارتکاب آپ سے بھی ہوا ہے۔"

سر سکندر کا علاج

ایک دفعہ کا ذکر ہے سردار سکندر حیات خاں لاہور سے کلکتہ کا سفر کر رہے تھے۔ کہ ٹرین ہی میں انہیں درد گردہ کی شکایت ہو گئی۔ سید عبدالعزیز بیرسٹر پٹنہ ہمسفر تھے۔ وہ انہیں رستہ ہی میں اتار کر پٹنہ لے گئے اور کچھ عارضی علاج کرایا جس کے بعد سردار صاحب کلکتہ چلے گئے۔ وہاں کے ڈاکٹروں سے معائنہ کرایا تو انہوں نے رائے دی کہ آپ وی آنا چلے جائیں گردہ متورم ہو رہا ہے۔ اس کا اپریشن ہندوستان میں قابل اطمینان نہ ہو سکے گا۔ سردار صاحب گھبرا کر لاہور واپس آ گئے۔ پنجاب کے بہترین ڈاکٹروں نے ان کا علاج شروع کیا لیکن جب حالت میں افاقہ نہ ہوا تو حکیم احمد شجاع صاحب کی تجویز سے حکیم صاحب بلائے گئے۔ ڈاکٹروں کو یہ معاملہ ناگوار ہوا۔ لیکن وزیر اعظم کا کیس تھا اس لئے دم بخود رہے۔ حکیم صاحب نے تشخیص کی ورم گردہ تھا۔ ڈاکٹروں کی بھی یہی تشخیص تھی۔ لیکن تغذیہ کے متعلق اختلاف تھا۔ ڈاکٹر پھلوں کا عرق دے رہے تھے اور حکیم صاحب اپنے اصول طب کے اعتبار سے فرماتے تھے کہ ورم کی حالت میں بارد غذا درست نہیں۔ یخنی وغیرہ دینی چاہیئے

www.taemeernews.com

آخر حکیم صاحب نے غذا بدل کر علاج شروع کیا تو چند روز میں افاقہ ہو گیا۔ یہ علاج اس قدر حیرت انگیز تھا کہ سول ملٹری گزٹ میں اس کے متعلق ایک نوٹ چھپا کہ شفا الملک حکیم فقیر محمد نے چوہدری ڈاکٹروں کے مقابلے میں کامیابی حاصل کی۔ حکیم صاحب کے ایک شاگرد حکیم نور احمد صاحب نعمانی نے اس علاج کی پوری تفصیل ایک مضمون کی شکل میں لکھ کر طبی رسائل میں شائع کرائی۔

گردے کی پتھری

ایک دفعہ کا ذکر ہے میاں احمد یار خاں دولتانہ نے لڈن ضلع ملتان سے ایک طویل تار بھیجا کہ ہمارا مختار عام جس کی عمر اس قدر ہے سات سال سے درد گردہ میں مبتلا ہے۔ ایکس رے سے پتھری معلوم ہوئی۔ اپریشن کرانے پر رضا مند نہیں ہوتا۔ آج کل بے حد تکلیف میں ہے۔ ادویہ بھیجئے۔ حکیم صاحب نے نسخے بندھوائے اور پارسل کر کے بھیج دیئے۔ اس کے ساتھ پوری ہدایات لکھ بھیجیں۔ چھ دن کے بعد میاں احمد یار خاں کا تار آیا کہ "مختار عام صاحب تندرست ہیں۔ پتھری ٹوٹ کر پیشاب کے ساتھ خارج ہو رہی ہے"۔ اس کے بعد مختار عام صاحب نے ایکس رے لیا تو پتھری واقعی غائب تھی۔

اندھی کو آنکھیں مل گئیں

ایک دن حکیم صاحب کے پاس بیرون لاہور سے دو تین آدمی آئے۔ جن کے ساتھ اٹھارہ انیس سال کی ایک نوجوان لڑکی تھی جو چند مہینے سے بالکل اندھی ہو گئی

www.taemeernews.com

تھی۔ واقفین نے بہت علاج کئے لیکن بینائی بحال نہ ہوسکی۔ آخر حکیم صاحب کے پاس لائے۔ حکیم صاحب نے اس کی ساری سرگزشت سنی تو معلوم ہوا کہ چند ماہ پیشتر اس لڑکی کو ٹائیفائیڈ بخار ہوا تھا۔ وہ بخار تو جاتا رہا لیکن اپنے ساتھ اس کی بینائی کو بھی لے گیا۔

حکیم صاحب نے نسخہ لکھدیا۔ اور فرمایا کہ اسے صبح و شام پلاؤ۔ اس سے مریضہ کو بخار ہوگا۔ گھبرانے کی ضرورت نہیں مجھے اس کی حالت سے روزانہ اطلاع دیتے رہو۔ دو دن نسخہ استعمال کرایا گیا تو لڑکی کو ایک دم ۱۰۳ ڈگری کا بخار ہوگیا۔ حکیم صاحب نے نسخہ جاری رکھنے کو کہا۔ تین چار دن میں بخار ۱۰۶ تک پہنچ گیا۔ اعزہ بہت پریشان ہوئے حکیم صاحب کو خبر ہوئی تو مریضہ کو دیکھنے گئے اور فرمایا کہ حالت بہت امید افزا ہے ایک دن کے لئے نسخے کا استعمال نہ کرو۔

دوسرے دن اس لڑکی نے کہا کہ میری بینائی عود کر رہی ہے اور مجھے کچھ دھندلا دھندلا منظر دکھائی دینے لگا ہے۔ حکیم صاحب نے پہلے نسخے کو صبح و شام کے بجائے صرف ایک دفعہ استعمال کرنے کی ہدایت دی۔ بخار روز بروز کم ہونے لگا کچھ مزید دوائیں تجویز کیں۔ آخر کوئی دو تین ہفتے کے بعد مریضہ تندرست ہوکر چلی گئی۔

میرے استفسار پر حکیم صاحب نے بتایا کہ تپ محرقہ کو کوئی حکیم اور کوئی ڈاکٹر زبردستی اتارنے کی کوشش نہیں کرتا۔ کیونکہ اس میں جسم کے کسی نہ کسی حصے کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ اس مریضہ کے ٹائیفائیڈ کا علاج کسی اناڑی معالج نے کیا ہوگا اور جھٹ پٹ بخار اتار دیا ہوگا۔ اس وقت تپ محرقہ کا مواد غلیظ کہیں آنکھوں کے اعصاب کے آس پاس خون میں گردش کر رہا ہوگا۔ اگر طبعی طریقے سے بخار اترتا تو وہ مواد خارج ہوجاتا لیکن غیر طبعی علاج کی وجہ سے وہ وہیں جم کر رہ گیا اور بینائی بند ہوگئی۔

www.taemeernews.com

اب جب تک اتنی حرارت دوبارہ پیدا نہ کی جاتی جس سے دوران خمن تپ محرقہ کے معیار پر آجائے۔ وہ مواد وہاں سے جنبش نہ کر سکتا تھا۔ میں نے دواؤں کی مدد سے بخار پیدا کیا اور اس سے بینائی بحال ہو گئی۔

نگند بابری

حکیم صاحب پھوڑے پھنسیوں کے لئے ایک نسخہ تجویز کیا کرتے تھے۔ نگند بابری ایک تولہ۔ بارہ تولے عرق مرکب مصفی خون میں رات کو بھگو دی جائے۔ صبح وہ عرق پی لیا جائے اور نگند بابری کو پیس کر اس کا نعدہ پھوڑے پر باندھ دیا جائے میں نے یہ نسخہ چند بار استعمال کیا تو بے حد مفید ثابت ہوا۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے۔ سید امتیاز علی تاج کو پیٹ کے اوپر پھوڑا نکل آیا۔ انہوں نے بیلا ڈونا اور بلیٹس وغیرہ کا علاج کیا لیکن کچھ فائدہ نہ ہوا۔ آخر میں نے نگند بابری والا نسخہ استعمال کرایا جس سے چند گھنٹے میں پھوڑے کا مواد خارج ہو گیا اور درد و کرب کا نشان بھی نہ رہا۔

چند روز بعد حکیم صاحب کسی دعوت میں امتیاز صاحب سے ملے۔ مزاج پرسی کی۔ امتیاز صاحب نے کہا۔ "بیمار ہو گیا تھا۔ آپ کے علاج سے اچھا ہو گیا۔" حکیم صاحب نے فرمایا۔ آپ تو میرے پاس آئے ہی نہیں۔ علاج کیونکر ہو گیا۔ انہوں نے سارا قصہ سنایا۔ سن کر بہت ہنسے کہنے لگے "میں بھی کہوں آجکل میرے مطب میں مریض کم کیوں آنے لگے ہیں۔ یہ آج معلوم ہوا کہ سالک صاحب نے نقب لگا رکھی ہے

جب اس سے دو چار روز بعد میں مطب میں حاضر ہوا تو گدی سے اٹھ کر الگ کھڑے ہو گئے اور کہنے لگے اب آپ ہی بیٹھ کر مطب کیجئے۔ میں بھیک مانگ کر

www.taemeernews.com

بسر کیا کروں گا۔ میں نے کہا۔ آپ کیا فرما رہے ہیں ؟ ہنسنے لگے اور کہا۔ بندہ خدا میرے نسخوں سے لوگوں کا علاج کرتے پھرو گے تو میرے پاس کون آئے گا ؟

پندرہ نسخوں میں پورا مطب

کہا کرتے تھے کہ میں عنقریب مطب کے متعلق ایک چھوٹا سا رسالہ لکھنے والا ہوں۔ میں نے عمر بھر کے غور و خوض اور تجربے کے بعد تمام امراض کے علاج کو زیادہ سے زیادہ چودہ پندرہ نسخوں میں محدود کر دیا ہے۔ انہی کے ادل بدل اور ہیر پھیر سے ہر مرض کا ازالہ ہو سکتا ہے۔ صرف اصول نشتیں سمجھ میں آجانے چاہئیں لیکن افسوس زندگی نے وفا نہ کی۔ حکیم صاحب اپنے اس ارادے کو پورا نہ کر سکے۔ ورنہ طب یونانی میں ایک حیرت انگیز کارنامے کا اضافہ ہو جاتا۔

جامع کمالات

حکیم شفا الملک فقیر محمد چشتی کا مذاق زندگی کے ہر پہلو میں پاکیزہ اور بلند تھا۔ ان کی خوراک پاکیزہ اور لطیف تھی۔ پوشاک اعلیٰ درجے کی اور نفیس۔ وہ زبان دانی اور انشا پردازی میں ہمارے اچھے اچھے ادیبوں سے بھی زیادہ ماہر تھے خصوصاً محاورات دہلی کے متعلق ان کی معلومات بہت وسیع تھیں۔ خوشنویسی اور خطاطی میں دور دور تک ان کی مثال نہ تھی۔ خط نستعلیق میں تو مجتہد کی حیثیت رکھتے تھے اور ملک کے بڑے بڑے خوشنویس ان کے کمال کا لوہا مانتے تھے۔ ایک دفعہ مصوری کا شوق ہوا تو تختوں، رنگوں، برشوں اور پارچوں کا ایک انبار لگا دیا اور دو تین ہی مہینے میں

www.taemeernews.com

آتی مشق بہم پہنچائی۔ کہ آپ کی بعض تصویروں کے بلاک لاہور کے ادبی رسالوں میں چھاپے گئے۔ اگرچہ شعر بہت کم کہتے۔ لیکن عمر بھر میں جو چند غزلیں کہیں۔ وہ بہت عالی پایہ اور پاکیزہ ہیں۔ آغا حشر کہا کرتے تھے۔ خدا کے لئے فقیر بھائی۔ تم شعر کہنا چھوڑ دو۔ تمہاری مشق جاری رہی تو ہم لوگوں کے چراغ گل ہو جائیں گے۔

حکیم صاحب جگراؤں ضلع لدھیانہ کے رہنے والے تھے۔ قدرت کی ستم ظریفی دیکھو کہ جس شخص کی حذاقت کے باعث بیسیوں بے چراغ گھرانے اولاد کی نعمت سے بہرہ ور ہو گئے۔ اس کے ہاں زندگی بھر ایک بچہ بھی پیدا نہ ہوا۔ لیکن حکیم صاحب کے کمالات کی یاد ان کے نام کو ہمیشہ زندہ رکھے گی۔

www.taemeernews.com

سید حلیب

۱۹۱۵ء کے آغاز کا ذکر ہے۔ میں اپنے ادبی ماہنامہ "فانوس خیال" کی طباعت کے سلسلے میں پٹھانکوٹ سے لاہور آکر مولوی عبدالحق مرحوم کے مطبع رفاہ عام میں مقیم ہوا جو دارالاشاعت پنجاب کے اندرونی حصے میں واقع تھا۔ دارالاشاعت میں تہذیب نسواں اور پھول کے دفتر تھے اور مولوی سید ممتاز علی بھی یہیں سکونت رکھتے تھے۔ دارالاشاعت کے مدخل کے مسقف حصے میں مولوی عبدالحق عام طور پر بیٹھے ہوئے مطبع کے کارکنوں کو حکم احکام دیا کرتے تھے۔ میں ان کے پاس بیٹھا تھا کہ اتنے میں ایک نوجوان پھول اخبار کے دفتر سے نکل کر میرے پاس آکھڑا ہوا اور کسی قدر تامل کے بعد کہنے لگا کہ فانوس خیال کے ایڈیٹر آپ ہی ہیں؟ اثبات میں جواب پاکر اس نے کہا

www.taemeernews.com

آئیے کمرے میں چل کر بیٹھیں اور باتیں کریں۔ میں اس کے ساتھ کمرے میں گیا تو اس نے بتایا کہ میں حبیب اللہ جلالپوری ہوں اور یہاں دارالاشاعت میں مولوی صاحب کے اخباروں کا کام کر رہا ہوں۔ باتوں ہی باتوں میں مجھ پر یہ انکشاف ہوا کہ حبیب اللہ صاحب کو پندرہ روپے ماہانہ تنخواہ ملتی ہے۔ اس وقت حبیب صاحب کا حلیہ یہ تھا۔ میانہ قامت۔ رنگ کھلتا ہوا گندمی۔ داڑھی منڈی ہوئی۔ معمولی کپڑے کا کوٹ اور پتلون پہنتے تھے۔

مولوی ممتاز علی بہت فاضل اور مردم شناس آدمی تھے۔ اپنے اخباروں میں حبیب صاحب سے ایڈیٹری کا نہیں بلکہ منشی کا کام لیتے تھے کیونکہ حبیب صاحب کا مبلغ علم بہت محدود تھا۔ میں واپس پٹھانکوٹ چلا گیا اور جب ۱۹۱۵ء کے اواخر میں لاہور پہنچا تو حبیب اللہ صاحب منشی محمد دین فوق مرحوم کے اخبار "کشمیری" میں کام کر رہے تھے جہاں سے وہ کسی فوجی محکمے میں بھرتی ہو کر مشرق بعید چلے گئے اور زیادہ تر دورانِ جنگ میں شنگھائی ان کا مستقر رہا۔

ترمذی۔ رہبر۔ نقاش

جنگ عظیم کے دوران ہی میں حبیب اللہ صاحب واپس آ کر کلکتہ میں مقیم ہوئے۔ صحافت کو چھوڑ کر گئے تھے۔ اب دوبارہ صحافت سے رشتہ جوڑنے کی فکر میں تھے۔ کلکتہ میں ایک صاحب ڈاکٹر ترمذی رہتے تھے۔ ان کا ایک چھوٹا سا اخبار "ترمذی" کے نام سے شائع ہوتا تھا۔ حبیب صاحب نے اس کی ایڈیٹری اختیار کی۔ اس وقت صورت حال یہ تھی کہ پنجاب میں سرائیکل اوڈوائر کی سخت گیری کے باعث

www.taemeernews.com

اخبارات بند ہو چکے تھے اور یہاں کے لوگ خبروں کے لئے دوسرے صوبوں کے اخباروں کے محتاج رہتے تھے۔ چنانچہ بجنور کے "مدینہ" اور "نجات" لپنے "ہفتہ جنگ" کی دلچسپی کی وجہ سے بہت پڑھے جاتے تھے۔ کلکتہ کی فضا نسبتاً بہتر تھی۔ "ترمذی" بھی لاہور میں فروخت ہونے لگا جب اس کا داخلہ بند کر دیا گیا تو حبیب صاحب نے "رہبر" اور "نقاش" کے نام سے یکے بعد دیگرے دو اخبار جاری کئے۔ اسی زمانے میں چودھری غلام حیدر خاں اور قاضی عبدالغفار بھی کلکتہ پہنچ گئے۔ اول الذکر نے یکے بعد دیگرے "ترجمان" اور "صداقت" جاری کئے اور قاضی صاحب نے جمہور نکالا۔ یہ سب اخبارات ہزاروں کی تعداد میں پنجاب بھیجے جاتے تھے۔ اور جب حکومت پنجاب ایک اخبار کا داخلہ بند کر دیتی تھی تو اس کی جگہ دوسرا جاری کر دیا جاتا تھا۔

سید حبیب شاہ مدیر سیاست

کچھ مدت تک یہ ہنگامہ جاری رہا۔ لیکن جنگ کے خاتمہ پر جب تقریر و تحریر کی آزادی کسی حد تک بحال ہوئی اور "زمیندار" نہایت آب و تاب سے نکل آیا تو کلکتہ کے یہ سب اخبارات ایک ایک کر کے بند ہو گئے۔ چودھری غلام حیدر خاں نے لاہور آکر اپنا "صداقت" ہفتہ وار جاری کیا اور حبیب اللہ صاحب نے جو اب "سید حبیب شاہ" ہو گئے تھے لاہور میں روزنامہ "سیاست" کی بنیاد رکھی — دہلی دروازے کے باہر جہازی بلڈنگ کے ایک حصے میں زمیندار کا دفتر تھا۔ اس کی پشت پر سید حبیب نے سیاست کا دفتر قائم کر رکھا تھا اور چونکہ اب یہ دونوں اخبار

www.taemeernews.com

ایک دوسرے کے حریف سمجھے جاتے تھے۔ اس لئے سید حبیب اکثر مولانا ظفر علی خاں کے خلاف اپنے اخبار میں نوک جھونک کرتے رہتے تھے۔

لیکن چونکہ تحریک خلافت اور ترک موالات کا آغاز ہو چکا تھا اور سید حبیب بھی مولانا ظفر علی خان ہی کی طرح اس میں شامل تھے۔ اس لئے زیادہ کشمکش کی نوبت نہیں آئی۔ میں زمیندار کا ایڈیٹر تھا اور سید صاحب کے متعلق میں نے یہ مسلک اختیار کر رکھا تھا کہ وہ زمیندار یا مولانا کے خلاف کچھ بھی لکھیں اس کا جواب زمیندار میں نہ دیا جائے اور کامل خاموشی اختیار کی جائے۔ اس سے سید صاحب بہت جھنجلاتے تھے لیکن کچھ کر نہ سکتے تھے۔

میانوالی جیل میں

تحریک میں سید حبیب کو تین سال قید کی سزا ہوئی۔ کچھ مدت لاہور وغیرہ کے جیلوں میں رہنے کے بعد وہ میانوالی جیل میں پہنچے۔ جب ہمارا قافلہ میاں والی جیل میں داخل ہوا تو ہمیں یہ سن کر افسوس ہوا کہ سید حبیب اس جیل میں عام قیدیوں کی طرح رکھے گئے ہیں۔ ہم نے سپرنٹنڈنٹ جیل کو توجہ دلائی کہ سید صاحب ایک روزنامہ اخبار کے مالک اور ایڈیٹر ہیں۔ اگر ہمیں سپیشل کلاس دی گئی ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ سید صاحب سے یہ ناواجب سلوک روا رکھا جائے۔ سید صاحب سے ملاقات ہوئی۔ جیل کی خوراک اور مشقت کی وجہ سے ان کا رنگ کالا پڑ گیا تھا۔ اور کمزور بھی ہو گئے تھے۔ خیر سپرنٹنڈنٹ صاحب کی رپورٹ پر وہ بھی درجۂ خاص میں شامل کر دیئے گئے اور تکلیف کا دور ختم ہوا۔

www.taemeernews.com

جیل میں جب مختلف درجوں کے قیدیوں کی تقسیم عمل میں آئی تو مسلمان سپیشل قیدی ایک وارڈ میں۔ ہندو سپیشل دوسرے وارڈ میں اور باقی کارکن اور رضاکار تیسرے وارڈ میں جمع کر دیئے گئے۔ سید حبیب بھی اسی وارڈ میں بھیجے گئے جس میں اختر علی خان، عطاء اللہ شاہ بخاری، مولانا داؤد غزنوی، مولانا احمد سعید اور دوسرے احباب رکھے گئے تھے۔ لیکن چونکہ سید صاحب ہر وقت لیڈری کی ہوا میں اڑتے رہتے تھے اور ہم لوگوں کی بے تکلفیوں سے اکثر منغص ہو جایا کرتے تھے۔ اس لئے وہ ہمارے ساتھ نہ رہ سکے اور سپرنٹنڈنٹ سے کہکر رضاکاروں کے وارڈ میں منتقل ہو گئے۔ جہاں وہ لڑکوں کو باہر سے کھانڈ وغیرہ منگا کر دیتے اور ان سے ہر گونہ خدمت لیتے رہتے۔ پھر مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی بھی آ گئے۔ اور اسی وارڈ میں سید حبیب کے ہمسائے اور رفیق کی حیثیت سے مقیم ہو گئے لیکن یہ رفاقت چند روزہ ثابت ہوئی۔ کیونکہ حبیب الرحمٰن علالت طبع کی وجہ سے دھرم سالہ جیل بھیج دیئے گئے۔

قبولؔ کی شکست کا ہنگامہ

تحریک ختم ہونے کے بعد جب سیاسی قیدی رہا ہوئے تو سید حبیب نے بھی دوبارہ صحافت اور قیادت کا رنگ و روغن درست کرنا شروع کر دیا۔ اور اکثر مولانا ظفر علی خاں اور زمیندار کے منہ آنے لگے۔ یہ مقابلہ نہایت نازیبا تھا اس لئے کہ دونوں حریفوں کی قابلیت اور حیثیت میں زمین و آسمان کا فرق تھا کہاں مولانا ظفر علی خاں، کہاں سید حبیب۔ لیکن ہم زمیندار میں اسی مسلک پر قائم

www.taemeernews.com

رہے ۔ جو ہم نے پہلے دن تجویز کیا تھا ۔ سید صاحب ہمارے خلاف لکھتے رہے اور ہم علی العموم طرح دے جاتے ۔

استنے میں سلطان ابن سعود نے حجاز پر حملہ کر دیا اور خاندان شریفی بے دخل ہو کر آوارۂ روزگار ہو گیا ۔ سلطان کی فوج کے ایک حصے نے جو متشدد نجدی قبائل (غطغط اور دخسرہ وغیرہ) پر مشتمل تھا ۔ طائف میں بعض مزاروں کے قبے خلاف شریعت قرار دے کر توڑ ڈالے ۔ اس پر مسلمانانِ ہند دو طبقوں میں تقسیم ہو گئے ۔ ایک طبقہ یہ کہتا تھا کہ قبروں پر عمارت بنانا یقیناً حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے منع کیا ہے ۔ اور قبوں کے گرانے میں سلطان ابن سعود کی فوج نے کوئی خلاف شریعت حرکت نہیں کی ۔ گو سیاسی مصلحت کے رُو سے انہیں فی الحال اس سے محترز رہنا چاہیئے تھا ۔ اس طبقے کا ترجمان "زمیندار" تھا ۔ دوسرا طبقہ مراد آباد ۔ بدایوں ۔ بریلی اور پنجاب وغیرہ کے بدعتی علماء و مشائخ پر مشتمل تھا جو سلطان ابن سعود کے خلاف کفر کے فتوے صادر کر رہا تھا اور عوام میں وہابیوں کے خلاف شورش پھیلا رہا تھا ۔ ان لوگوں نے حزب الاحناف اور خدام الحرمین کے نام سے اپنی تنظیمات بھی قائم کر رکھی تھیں ۔ چونکہ مولانا ظفر علی خاں اول الذکر طبقے کے ساتھ تھے ۔ اس لئے سید حبیب نے دوسرے طبقے سے اپنا تعلق استوار کیا ۔ وہ دیکھتے دیکھتے حنفیوں ، صوفیوں اور ان کے عقیدتمندوں کے منظورِ نظر بن گئے اور سیاست کی اشاعت بھی بڑھ گئی ۔

سید صاحب اس زمانے میں بڑے لیڈر بن گئے تھے اور ہر وقت ان کے دفتر میں علماء و مشائخ کا جمگھٹا رہتا تھا ۔ حضرت پیر جماعت علی شاہ ان کے بڑے سرپرست تھے اور پنجاب اور یوپی کے بڑے بڑے مشائخ کی درگاہوں میں سید حبیب کی بڑی آؤ بھگت ہوتی تھی

www.taemeernews.com

افغانستان سے تعلقات

چندسال بعد جب افغانستان میں بچہ سقہ نے ہنگامہ برپا کیا اور جنرل نادرخان فرانس سے اس فتنے کے سدِ باب کے لئے آ گئے۔ تو سید صاحب نے جنرل صاحب سے سلسلہ مواخات قائم کیا۔ اور علی العموم افغان اکابر کی خاطر مدارات میں سرگرم رہنے لگے۔ جب کبھی شاہ ولی خاں۔ شاہ محمود خاں یا احمد شاہ خاں لاہور سے گزرتے۔ سید صاحب ناشتہ دان لئے ہوئے سٹیشن پر موجود ہوتے اور افغان دوستوں کو کھانا وانا کھلاتے۔ نادر شاہ شہید کی کامیابی کے بعد افغانستان سے سید صاحب کا وظیفہ مقرر ہو گیا۔

قلات و خاران

سید حبیب اپنے اخبار کی مالی امداد کے لئے اکثر ذی حیثیت حضرات کی طرف رجوع کیا کرتے تھے۔ چنانچہ اسی سلسلے میں قلات و خاران، چترال وغیرہ کے سفر بھی اختیار کئے۔ ایک دن سید حمید علی مالک دارالاشاعت کے پاس بیٹھے تھے۔ میں بھی موجود تھا۔ دوران گفتگو میں میں نے کہا چترال اور قلات تو خیر۔ لیکن خاران کی ریاست اب تک گمنامی میں تھی۔ اس ملک کے کولمبس تو آپ ہی ہیں۔ یہ سن کر بہت برافروختہ ہوئے۔ اور کہنے لگے اگر "انقلاب" دکن اور بھوپال کو اپنے قابو میں لے آئے۔ تو آخر میں کیا کروں۔ میں نے قلات اور خاران ڈھونڈ نکالے۔

(اس زمانے میں ریاست حیدر آباد دکن " انقلاب" کے پانسو پرچے خرید رہی تھی۔

www.taemeernews.com

سید صاحب کا اشارہ اسی طرف تھا)

دیودار کا جنگل

ایک دفعہ کا ذکر ہے۔ سید حبیب چترال گئے۔ جب مہتر صاحب سے سیاست کی بدحالی کا ذکر کر کے ان سے استمداد کی تو انہوں نے فرمایا۔ کہ افسوس ہے میں کچھ زیادہ مدد نہیں کر سکتا۔ مشکل یہ ہے کہ ہماری ریاست میں دیودار کا ایک جنگل موجود ہے جس کی لکڑی اب بالکل پختہ اور کاٹنے کے قابل ہے لیکن افغانستان کے ساتھ اختلافات ہیں۔ وہ ہمیں اجازت نہیں دیتا کہ ہم اس لکڑی کو دریائے کابل کے راستے سے مارکٹ میں پہنچا دیں اگر آپ افغانستان کو ہموار کر سکیں تو میں آپ کو اجازت دے دوں گا کہ دیودار کے پانچہزار درخت آپ لے جائیں اور اس سے فائدہ اٹھائیں۔ سید صاحب کو نادر شہید کی دوستی پر بڑا اعتماد تھا انہوں نے کہا بھلا یہ کونسی بڑی بات ہے۔ میں افغانستان کو ضرور ہموار کروں گا۔ اس قرارداد کے بعد سید حبیب لاہور آئے۔ اپنے دوستوں سے اس سودے کا ذکر کیا۔ یہاں تک کہ لالہ ہرکشن لال سے ملے اور کہا کہ آپ ابتدائی مصارف کے لئے مجھے کچھ روپیہ دے دیں۔ اس کے بعد میں چترال کی لکڑی کو صوبہ سرحد کی مارکٹ تک پہنچانے کا تردد کروں گا اور منافع میں میرا اور آپ کا حصہ نصفا نصف ہوگا لالہ ہرکشن لال نے سید صاحب کو تین ہزار روپے قرض دے دیئے اور اپنے بیٹے جیون لال گابا سے کہا کہ تم تین چار دوسرے کارکنوں کو ساتھ لو اور سید حبیب کی معیت میں افغانستان چلے جاؤ۔ جب سید صاحب لکڑی کے لانے کا بندوبست کر لیں تو اس کام کو پایہ تکمیل تک پہنچانے میں ان کی مالی امداد کرو۔ ان دنوں سید صاحب نے کئی اضلاع کا دورہ کر کے

www.taemeernews.com

جیون لال گا با اور ان کے رفیقوں کے لئے افغانستان کے پاسپورٹوں کا بندوبست کیا۔ اور ان کو ساتھ لے کر پشاور روانہ ہوئے۔ وہاں کے افغانی ویزا آفیسر نے اپنی حکومت سے استفسار کیا تو سردار ہاشم خان نے حکم بھیجا کہ صرف سید حبیب کو ویزا دیدو۔ کہ وہ یہاں آکر جو گفتگو کرنا چاہتے ہیں کرلیں۔ باقی آدمیوں کو یہاں آنے کی کوئی ضرورت نہیں

افغانستان ہموار نہ کیا جاسکا

سید صاحب بہت جز بز ہوئے لیکن حکم حاکم مرگ مفاجات۔ رفقاء کو پشاور میں چھوڑ کر کابل گئے۔ سردار ہاشم خاں وزیر اعظم سے ملاقات کی۔ سردار صاحب نے کہا سید صاحب آپ کمال کرتے ہیں۔ ہمارے آپ کے تعلقات ذاتی اعتبار سے کتنے ہی گہرے اور مخلصانہ ہوں لیکن یہ تو بین الاقوامی مسئلہ ہے۔ چترال کے خلاف ہمیں بہت سی شکایات ہیں محض آپ کی لکڑی کی خاطر ہم کیونکر چترال کے آگے سر تسلیم خم کردیں۔ افسوس ہے کہ حکومت افغانستان اس معاملے میں آپ کی کوئی امداد نہیں کرسکتی۔ سید صاحب سخت پریشان ہوئے۔ انہوں نے اِدھر اُدھر ہاتھ پاؤں مارے۔ نادر شاہ شہید سے بھی عرض کیا لیکن کوئی نتیجہ نہ نکلا۔ آخر بے نیل مرام واپس آئے اور پانچ لاکھ کمانے کا وہ خواب جس نے ان کو مہینوں شیخ چلی کے منصوبے سوچنے میں مصروف رکھا تھا ہاشم خاں کے ایک فقرے سے پریشان ہو کر رہ گیا۔ لالہ ہرکشن لال نے تین ہزار روپے واپس طلب کئے جو سید صاحب سے ادا نہ ہو سکے۔

سیاست سے آخری ضمانت

سردار سکندر حیات خاں پنجاب کے وزیر اعظم ہوئے تو سید حبیب صاحب نے

www.taemeernews.com

ان سے تعلقات قائم کرنے اور کچھ استفادہ فرمانے کی کوشش کی۔ مایوسی ہونے پر ان کے خلاف نہایت بدآہنگی سے اپنے اخبار میں مضامین لکھے اور ان میں قانون و آئین کی حدود سے تجاوز کر گئے۔ چنانچہ حکومت پنجاب نے "سیاست" سے سات ہزار کی ضمانت طلب کی۔ ضمانت داخل نہ کی جا سکی "سیاست" بند ہو گیا۔ اور ایسا بند ہوا کہ پھر کبھی جاری نہ ہو سکا۔ نادر شاہ شہید کی شہادت کے بعد چونکہ کابل کا وظیفہ علامہ صلاح الدین سلجوقی (سفیر افغانستان در ہند) کی رپورٹ پر بند کر دیا گیا تھا۔ اس لئے سید صاحب نے اعلیحضرت ظاہر شاہ کے خلاف اپنے ایک اخبار "منشور" میں مضامین لکھے۔ سفارت افغانستان کے توجہ دلانے پر حکومت نے اس اخبار کو بند کر دیا۔ اور سید حبیب کو جیل خانے میں بھیج دیا۔

اس کے بعد سید صاحب مدت دراز تک متفاوز پر پڑے رہے حصول معاش کے لئے مسلم انڈیا انشورنس کمپنی کی ایجنسی اختیار کی اور اکثر پریشان روزگار اور بدحال رہے پاکستان قائم ہونے کے بعد ایک روزنامہ غازی نکالا جو چل نہ سکا اور آخر بڑے نقصان کے بعد بند کرنا پڑا۔

سفر وسیلۂ ظفر

سید صاحب کا طریقہ "سیاست" کے زمانے میں بھی اور بعد بھی یہی رہا کہ ہر مہینے اپنے سفر کی ایک سمت مقرر کر لیتے۔ لاہور سے چل کر کبھی امرت سر۔ جالندھر۔ لدھیانہ، دہلی اور لکھنو کا دورہ کرتے۔ کبھی دہلی سے سورت اور بمبئی کا رخ کر لیتے کبھی منٹگمری، ملتان، بہاول پور۔ کراچی۔ قلات اور خاران تک چلے جاتے۔ بیس بائیس دن کے بعد کچھ عطیات

www.taemeernews.com

کچھ اخبار کے چندے۔ اور کچھ اشتہارات کی اجرت سے کر لدے پھندے اور سالما نامہ واپس آتے۔ اپنی دونوں بیگموں کو خرچ دیتے۔ ملازموں کو تنخواہیں بانٹتے دفتر کے دوسرے مصارف پورے کرتے اور آٹھ دس دن کے بعد پھر رخت سفر باندھ لیتے ان کے دفتر کے ملازم کبھی غیر مطمئن نہیں رہے، ان کے دفتر میں کبھی ہڑتال نہیں ہوئی۔ سب کے واجبات ادا کر دیتے۔ خواہ اس کے لئے انہیں دربدر گھومنا پڑتا۔ جب غازی جاری کیا گیا تو لاہور کے ہر قابل ذکر پڑھے لکھے آدمی سے ملے۔ اکثر کو اخبار کا خریدار بنایا۔ بعض سے عطایا وصول کئے۔ لیکن زمانہ بدل چکا تھا۔ اخبار کے مصارف میں اضافہ ہو چکا تھا اور مقابلے میں دس اخبار جاری تھے۔ اس لئے سید صاحب کی انتہائی محنت کے باوجود غازی ناکام ہو گیا۔

سید صاحب کی خوبیاں

سید حبیب نہایت محنتی۔ جفاکش۔ باہمت۔ دوستوں کے مخلص دوست اور دشمنوں کے سخت دشمن واقع ہوئے تھے۔ مشکلات و مصائب سے ہرگز پریشان نہ ہوتے تھے۔ بڑے سے بڑے افسر اور بڑے سے بڑے لیڈر سے ٹکرا جانے میں تامل نہ کرتے تھے۔ ان کے برادر کوچک سید عنایت شاہ مرحوم نیکی اور شرافت اور کاروباری دیانت کے پتلے تھے۔ انہوں نے سید صاحب کے اخبار کے انتظامات سنبھال رکھے تھے۔ اور سید حبیب دن رات اپنے اخبار کو۔ اپنی تحریکات کو اپنی لیڈری کو اور اپنی مساعی فراہمی زر کو تقویت دینے میں مصروف رہتے تھے۔ لوگوں کی سفارشیں کرنا محتاجوں کی امداد کا جتن کرنا۔ غریب مسلمان نوجوانوں کو ملازمتیں دلوانا اور بعض مظلوموں

www.taemeernews.com

کے لئے افسروں سے لڑنا جھگڑنا سید حبیب کا عام شعار تھا۔ ان کی کمزوری صرف ایک تھی کہ روپیہ پیسہ کافی نہ ہونے کی وجہ سے وہ بعض اوقات حدودِ جواز سے تجاوز کر جاتے تھے۔ اس کے سوا باقی اعتبارات سے وہ خوب انسان تھے۔ عمر کے آخری سالوں میں بعض امراض لاحق ہو گئے تھے۔ آخر بے زری اور تفکرات اور امراض نے قابو پا لیا اور ۱۹۵۱ء میں اللہ کو پیارے ہو گئے۔ اللھم اغفرہٗ

www.taemeernews.com

مولانا تاجور نجیب آبادی

نجیب آباد کے مولوی احسان اللہ خاں تاجور نے نو سال دیوبند کے دارالعلوم میں بسر کر کے علوم دینی میں فراغت تحصیل کی سند حاصل کی۔ تو انہیں معلوم ہوا کہ ان کا علم و فضل حصول معاش میں معاون نہ ہوگا۔ کسی مسجد میں پیش امام بننا۔ ختم درود پڑھنا اور جنازے کی نمازیں پڑھانا نہ مولوی تاجور کے ذوق کو گوارا تھا نہ اس سے قوت لایموت بآسانی میسر آسکتی تھی۔ وہ شاعر آدمی تھے اور شاعری کے جراثیم جس شخص کے ذہن میں پرورش پا رہے ہوں اس کا علمائے دین کی صف میں کھڑے ہونا اور اپنی زندگی میں زہد و تقویٰ کا اہتمام کرنا بے حد دشوار ہے۔ اس احساس کے ماتحت انہوں نے فیصلہ کیا کہ پنجاب جا کر مشرقی امتحانات پاس کئے جائیں اور مدرسی کا پیشہ اختیار کیا جائے۔ چنانچہ وہ

www.taemeernews.com

۱۹۱۵ء میں لاہور پہنچکر اورینٹل کالج میں داخل ہو گئے۔

دیال سنگھ سکول میں

مولانا تاجور استاذی رسا رام پوری کے شاگرد تھے۔ اس لئے میرے ساتھ خواجہ تاشی کے تعلقات رکھتے تھے۔ ہماری خط و کتابت جاری تھی "فانوس خیال" میں ان کا ایک مکتوب بھی شائع ہو چکا تھا۔ جب ۱۹۱۵ء کے اواخر میں میں نے لاہور میں مولوی سید ممتاز علی کے ہاں ملازمت اختیار کی تو مولانا تاجور سے پہلی دفعہ نیاز حاصل ہوا۔ وہ اس زمانے میں اورینٹل کالج کے ہاسٹل میں رہتے تھے جو شاہی مسجد اور قلعہ کے درمیانی کمروں میں قائم ہوا تھا۔ منشی فاضل کا امتحان پاس کر کے تاجور صاحب دیال سنگھ ہائی سکول میں اورینٹل ٹیچر ہو گئے۔ اس سکول کے ہیڈ ماسٹر لالہ رگھوناتھ سہائے نہایت باوضع۔ غیر متعصب اور بلند اخلاق آدمی تھے اور مولانا تاجور ان کی خوبیوں کے اس قدر گرویدہ تھے کہ انہیں فرشتہ کہا کرتے تھے۔ رگھوناتھ سہائے جیسے ہندوؤں کے حسن سلوک ہی کا نتیجہ تھا کہ مولانا تاجور کے مخلصانہ روابط زندگی بھر ہندوؤں اور سکھوں ہی کے ساتھ رہے۔ مسلمان اکابر میں سے صرف دو تین ہی سے مولانا کی رسم و راہ تھی۔

مخزن کی ایڈیٹری

رسالہ "مخزن" سر عبدالقادر کے قبضے سے نکل کر ایک ریٹائرڈ تحصیلدار غلام رسول صاحب کی ملکیت میں منتقل ہو گیا جن کے انتقال کے بعد ان کے بھائی

www.taemeernews.com

ظہورالدین اسکو چلاتے رہے۔ مولانا تاجور نے "مخزن" کی ایڈیٹری قبول کرلی۔ زمانے کی کیفیت دیکھئے کہ مدیر "مخزن" کی حیثیت سے مولانا تاجور کی تنخواہ پندرہ روپے ماہانہ تھی۔ اور جن دنوں مولانا کھانا بھی ظہورالدین صاحب ہی کے ہاں کھاتے۔ ان دنوں نقد صرف پانچ روپے ملتے۔ جب مولانا موسم گرما کی تعطیلات میں حبیب آباد چلے جاتے تو "مخزن" کی ایڈیٹری کا پشتارہ میرے کندھوں پر رکھ جاتے اور میں بلا معاوضہ اس خدمت کو انجام دیتا۔

"ہمایوں" میں

مولانا تاجور زبان کی سوجھ بوجھ خاصی رکھتے تھے اور غزل بہت اچھی کہتے تھے۔ ان ہی دنوں جسٹس شاہ دین مرحوم نے انہیں یاد فرمایا۔ کیونکہ میاں بشیر احمد نے "ہمایوں" جاری کر دیا تھا اور انہیں صرف ایک مدیر معاون ہی کی ضرورت نہ تھی۔ بلکہ وہ ابتدائی عربی کتابیں بھی پڑھنا چاہتے تھے۔ مولانا تاجور میاں بشیر احمد صاحب کے رفیق کار بن گئے اور "ہمایوں" کو حسن ترتیب کے ساتھ بلند معیار پر مرتب کرنا شروع کیا۔ تاجور صاحب کی یہ تمام ادبی مصروفیتیں اپنی مستقل ملازمت کے علاوہ تھیں۔ دیال سنگھ ہائی سکول کی ٹیچری سے ترقی کر کے وہ دیال سنگھ کالج میں فارسی کے لکچرر مقرر ہو گئے تھے۔ لیکن ادبی رسالوں کا مرتب کرنا اور نوجوانوں کو نثر و نظم میں اصلاح دینا ان کا دائمی مشغلہ رہا۔ اسی سلسلے میں انہوں نے ایک انجمن ارباب علم کی بنیاد رکھی۔ جس کے پر رونق مشاعرے ایس پی ایس کے ہال میں ہونے لگے۔ مولانا تاجور کے احباب اور ان کے شاگرد اس مشاعرے میں ذوق شوق سے شریک ہوتے تھے۔

www.taemeernews.com

اور میں بھی اکثر اپنا کلام انہی مشاعروں میں پڑھتا تھا۔

"بزم ادب"

کچھ مدت بعد جب حفیظ جالندھری لاہور کے ادبی افق پر نمودار ہوئے تو ہم نے ان کا تعارف بھی انجمن ارباب علم ہی کے سٹیج پر کرایا اور حفیظ کی پہلی نظمیں اسی انجمن کے مشاعروں میں پڑھی گئیں۔ لیکن حفیظ کی روز افزوں ہر دلعزیزی سے مولانا کچھ کھٹک سے گئے۔ ادھر وہ کوتاہی ظرف میں مبتلا۔ ادھر یہ زود رنج۔ نتیجہ یہ ہوا کہ کشمکش شروع ہو گئی اور حفیظ صاحب نے جھٹ ایک "بزم ادب پنجاب" کی بنا ڈالی اور مجھے اس کا صدر مقرر کر کے پہلے مشاعرے کا اعلان کر دیا۔ اب تاجور صاحب بے حد پریشان ہوئے۔ انجمن ارباب علم کے مشاعرے بہت "ڈبلے" ہو گئے اور سالک و حفیظ کے دوستوں نے بزم ادب کو چار چاند لگا دیئے۔ لیکن یہ حفیظ صاحب کا ایک عارضی سا جوش تھا جو چند روز میں ٹھنڈا پڑ گیا اور بزم ادب درہم برہم ہو گئی۔

کانگرسیوں کا ہنگامہ

اس سے قبل ۲۳ء میں مولانا تاجور نے ایک مشاعرہ رائے بہادر دولت رام کالیہ بیرسٹر فیروز پور کی صدارت میں منعقد کیا۔ رائے بہادر حکومت کے نہایت خوشامدی اور کانگرس کے دشمن واقع ہوئے تھے اور قومی تحریک ابھی باقی تھی۔ ہزاروں مجاہدین حریت جیل خانوں میں مقید تھے۔ اس لئے کانگرسیوں اور دوسرے آزادی پسندوں کو ایک ادبی انجمن کی طرف سے ایک ٹوڈی کی اس عزت افزائی پر بہت

www.taemeernews.com

غصہ آیا۔ اور کانگرسی رضاکاروں نے مشاعرے میں ابتری پیدا کرنی شروع کر دی۔ اتنے میں میں ایس پی ایس کے ہال میں پہنچ گیا۔ چونکہ حال ہی میں سیاسی قید سے رہا ہو کر آیا تھا اس لئے پُرزور تالیوں سے میرا خیر مقدم کیا گیا۔ مولانا تاجور نے مجھے سٹیج پر بٹھایا کانگرسیوں کی حرکت کا قصہ سنایا۔ اور کہا کہ آپ ذرا سی کوشش سے اس مشاعرے کو کامیاب بنا سکتے ہیں۔ خیر۔ میں اٹھا۔ ایک دو لطیفے سنا کر مجلس کو شگفتہ کیا۔ پھر اپنا کلام سنایا اور دوسرے شعراء کو پڑھوایا۔ کانگرسیوں نے میرے لحاظ کی وجہ سے اس کے بعد شور نہ مچایا۔

مولانا تاجور اس داغ کو دھونے اور انجمن ارباب علم کو بدنامی اور غیر ہر دلعزیزی سے بچانے کے لئے بے حد مضطرب تھے۔ وہ میرے پاس آئے اور کہنے لگے خدا کے لئے آئندہ اجلاس کی صدارت آپ کر دیجئے۔ میں نے قبول کیا اور اخباروں میں اعلان ہو گیا۔ دوسرے ہی دن ڈاکٹر ستیہ پال سیکرٹری کانگرس کمیٹی کا ایک خط مجھے موصول ہوا جس میں لکھا تھا کہ مولوی تاجور نے رلیے عامہ کی توہین کی ہے۔ اور کانگرس کی دشمنی کا ثبوت دیا ہے۔ آپ سے استدعا ہے کہ جب تک اس توہین کی تلافی نہ ہو جائے آپ مشاعرے کی صدارت نہ کریں۔ میں نے جواب میں لکھ دیا۔ کہ آپ یقین رکھئے میں کسی حالت میں کانگرس اور رلیے عامہ کی توہین کو محض صدارت مشاعرہ کی خاطر برداشت نہ کروں گا اور انتہائی کوشش کروں گا کہ مولانا تاجور معقول رویہ اختیار کریں۔ آپ بھی اپنے کارکنوں اور رضاکاروں کو ہدایت کر دیں کہ بیکار شور و غوغا سے محترز رہیں۔

www.taemeernews.com

مشاعرہ کامیاب ہوا

مشاعرے سے پہلے میں نے مولانا تاجور کو اس امر پر آمادہ کر لیا کہ وہ انعقاد جلسہ کے آغاز ہی میں سٹیج پر آکر معقول الفاظ میں معذرت کر دیں اور اعلان کر دیں کہ انجمن ارباب علم اگرچہ سیاست سے بے تعلق ہے لیکن اپنی قومی انجمن (کانگرس) اور آزادی ہند کے نصب العین کی کسی توہین کو روا نہ رکھے گی۔ مشاعرہ ہوا۔ اور میں نے دیکھا کہ اس میں بہت سی گاندھی ٹوپیاں موجود ہیں۔ میں الگ بیٹھا رہا جب مولانا تاجور اپنی معذرت پڑھ چکے۔ اور تجویز صدارت ہو گئی۔ تو میں آکر کرسی صدارت پر بیٹھ گیا۔ اس پر جلسے نے بے حد خوشنودی اور جوش و خروش کا اظہار کیا۔ میں نے کھڑے ہو کر کہا۔ کہ دیش بندھو چترنجن داس کا حال ہی میں انتقال ہوا ہے وہ ہندوستان کی تحریک آزادی کے بڑے بڑے جرنیلوں میں سے تھے اور اس کے علاوہ بنگلہ زبان کے نہایت شیوا بیان شاعر تھے۔ خود ڈاکٹر ٹیگور ان کی شاعری کی تعریف میں رطب اللسان ہیں۔ اس لئے میری تجویز یہ ہے کہ دیش بندھو داس کے اعزاز میں انجمن ارباب علم کے اس مشاعرے کے حاضرین سر و قد کھڑے ہو کر دو منٹ کی خاموشی اختیار کریں۔ اس کے بعد مشاعرے کی کارروائی شروع کی جائے گی۔

غرض فضا بالکل صاف ہو گئی۔ "گاندھی ٹوپیاں" جو اس لئے جمع تھیں کہ ضرورت پڑے تو مولوی تاجور پر پل پڑیں نہایت سکون سے مشاعرہ سنتی رہیں اور انجمن ارباب علم اس آفت سے بچ گئی۔

www.taemeernews.com

فیروزپور کا مشاعرہ

سنہ ۱۹۲۶ء میں ڈاکٹر اقبال پنجاب کی مجلس قانون ساز کے ممبر منتخب ہوئے۔ تو بعض مقامات سے انہیں دعوتیں آنے لگیں کہ تشریف لائیے کیونکہ لوگ آپ کی زیارت کے خواہاں ہیں۔ فیروزپور میں میاں تصدق حسین خالد ای اے سی تھے وہ ایک دن لاہور آئے اور ڈاکٹر صاحب کی خدمت میں حاضر ہو کر گزارش کی کہ آپ فلاں تاریخ کو فیروزپور آئیے۔ آپ کا جلوس نکالا جائے گا۔ آپ کی صدارت میں ایک مشاعرہ کیا جائے گا۔ اور شام کو گارڈن پارٹی دی جائے گی۔ ڈاکٹر صاحب نے فرمایا کہ جلوس میرے ذوق کے خلاف ہے۔ مشاعرے کی صدارت میری جگہ سالک صاحب کریں گے اور میں پارٹی میں شامل ہو جاؤں گا۔

یہ کہکر ڈاکٹر صاحب نے مجھے بلوایا اور حکم دیا کہ آپ فلاں تاریخ فیروزپور جاکر مشاعرے کی صدارت کریں۔ میں نے سر تسلیم خم کیا۔ گھر واپس آکر حفیظ صاحب کو بلایا اور کہا کہ کل صبح چند شعرا کو ساتھ لیجئے۔ اور میرے ساتھ فیروزپور چلئے۔ وہ اٹھ کر پنڈت ہری چند اختر کی طرف چلے گئے۔ سردار اودھے سنگھ شائق وکیل فیروزپور تاجور صاحب کے شاگرد تھے اور اہل فیروزپور کی طرف سے شعرا کو لوا لے جانے کے لئے لاہور آئے ہوئے تھے۔ دوسرے دن صبح کو ہم لوگ ریلوے سٹیشن پر پہنچے تو معلوم ہوا کہ مولانا تاجور بھی پنڈت کیفی دہلوی۔ میلارام وفا۔ منوہر سہائے انور۔ دین محمد فاخر وغیرہ کو ساتھ لیکر جا رہے ہیں۔ یہ واقعہ اس لئے بیان کر رہا ہوں کہ حفیظ صاحب کے ساتھ اختلاف کی وجہ سے مولانا نے مجھ سے سلسلہ کلام و سلام بند کر دیا

www.taemeernews.com

تھا۔ اور مجھے اپنا حریف سمجھتے تھے۔ اس قافلہ شعرا کی ترتیب بھی اسی سلسلے میں کی گئی تھی۔ چونکہ میں پہلی دفعہ بیرون لاہور کے کسی مشاعرے میں گیا تھا اور پھر علامہ اقبال کا نامزد صدر تھا۔ اس لئے فیروز پور میں میری آؤ بھگت بہت تپاک سے کی گئی۔ اور مولانا تاجور چونکہ روز کے آنے جانے والے تھے اس لئے ان کی طرف توجہ نسبتہً کم رہی۔ اس لئے مولانا نے سردار اودے سنگھ شائق کی کوٹھی پر جا کر اپنے آدمیوں کی ایک خفیہ کانفرنس میں یہ تجویز پیش کی کہ مشاعرے کی صدارت پنڈت برجموہن دتاتریہ کیفی دہلوی کریں۔ کیونکہ وہ سب کے بزرگ ہیں اور سالک صاحب کو بھی ان کے نام سے اختلاف نہ ہوگا۔ لیکن پیشتر اس کے کہ مجھ سے استصواب کیا جاتا۔ میاں تصدق حسین خالد نے کہہ دیا کہ جس شخص کے اعزاز میں آج کی تقریب ہو رہی ہے جب اسی نے مشاعرے کی صدارت کے لئے اپنا قائم مقام نامزد کر رکھا ہے تو پھر ہم کیونکر کسی دوسرے آدمی کا نام لے سکتے ہیں۔ غرض تاجوری قافلہ مجبوراً مشاعرے میں شریک ہوا۔ اور مشاعرے کے اواخر میں میں نے حفیظ جالندھری سے پہلے۔ کیفی۔ تاجور۔ وفا اور الوز کو پڑھوا دیا۔ جب حفیظ کھڑے ہوئے تو یہ قافلہ چلے جانے کے لئے پر تولنے لگا۔ جانتے تھے کہ صدر بے ڈھب آدمی واقع ہوا ہے۔ سر مشاعرہ دو تین چوٹیں کر دیگا اس لئے پنڈت کیفی کو میرے پاس بھیجا کہ صدر جلسہ اجازت دیں تو ہم لوگ چلے جائیں۔ شہر میں کچھ کام ہے۔ پنڈت جی کے ارشاد پر میں کیا عرض کر سکتا تھا۔ بخوشی اجازت دے دی اور یہ لوگ چلے گئے۔

www.taemeernews.com

علمار دیوبند کی ڈانٹ

میرا اور مولانا کا رابطہ کلام و سلام ایسا بند ہوا کہ سالہا سال تک یہی کیفیت رہی حالانکہ میں کسی جانی دشمن سے بھی بات چیت کا سلسلہ بند نہیں کیا کرتا۔ اور مولانا تو بچپن کے دوست تھے لیکن مولانا کی آزردگی نہ گئی۔ پہلے لکھ چکا ہوں کہ مولانا لاہور میں زیادہ تر ہندوؤں اور سکھوں سے تعلقات رکھتے تھے۔ مسلمانوں سے چنداں واسطہ نہ تھا اور دیوبند کے عالم ہونے کے باوجود غیر شرعی داڑھی اور آزادانہ رویہ کی وجہ سے ایک دفعہ مولانا انور شاہ کاشمیریؒ اور مولانا شبیر احمد عثمانیؒ ان پر اعتراض بھی ہوئے تھے۔ انجمن خدام الدین کے اجلاس پر یہ بزرگ تشریف لائے تو مولانا انور شاہ نے فرمایا کہ ہمارے دارالعلوم کا عالم اور حلیہ یہ؟ تم نے پڑھ لکھ کر کھو دیا اور دارالعلوم کو بدنام کیا۔ مولانا سر جھکائے سب کچھ سنتے رہے اور اف نہیں کی تھوڑی دیر میں اٹھ کر چلے آئے

مولانا کی ادبی صحافت

اس میں شک نہیں کہ مولانا تاجور نے اپنی دیوبندی تعلیم سے نہ کوئی فائدہ خود اٹھایا نہ دوسروں کو پہنچایا۔ انہوں نے عمر بھر فارسی پڑھا کر معاش پیدا کی اور اردو ادب و شعر کی خدمت میں مصروف رہے۔ مولانا کی تصانیف صرف چند غزلوں نظموں اور رسالوں تک محدود ہیں۔ ان کے سکولی اور کالجی شاگردوں کے علاوہ زبان و فن میں بھی ان کے تلامذہ کی تعداد خاصی ہے جن کی اکثریت ہندوؤں اور سکھوں پر مشتمل تھی۔ انہوں نے "مخزن" اور "ہمایوں" کی ادارت کی۔ اس کے

www.taemeernews.com

بعدؔ "ادبی دنیا" اور "شاہکار" جاری کئے ۔ بچوں کا رسالہ "پریم" جاری کیا بغرض پوری زندگی ادب ، شعر اور صحافت میں صرف کی ۔ سر سکندر حیات خاں کی وزارت کے زمانے میں راجا نرندر ناتھ اور بعض دوسرے ہندو بزرگوں کی تحریک پر حکومت پنجاب نے مولانا کو "شمس العلماء" کا خطاب دلوایا ۔ لیکن مولانا کو بڑھاپے میں دو پہلے پلائے فرزندوں کے انتقال کا جو صدمہ برداشت کرنا پڑا اس کے بعد ان کی صحت بالکل سنبھل نہ سکی ۔ جسم تو پہلے ہی دوہرا تھا لیکن آخری عمر میں بہت بھاری ہو گئے تھے اور پیٹ میں سانس نہ سماتا تھا ۔ بعض دوسرے عوارض بھی لاحق ہو گئے تھے ۔ آخر چھیاسٹھ برس کی عمر میں انتقال ہو گیا ۔

سلام کلام کی تجدید

لکھ چکا ہوں کہ مجھ سے سلسلہ کلام منقطع تھا ۔ لیکن اس انقطاع کے باوجود ہم دونوں کے قلوب ایک دوسرے کی طرف سے بالکل صاف تھے اور تکدر کا کہیں نام بھی نہ تھا ۔ یہ محض ضد اور وضع کا معاملہ تھا جس کی وجہ سے ہم مصالحت نہ کر سکے ۔ سچ پوچھئے تو یہ ہم دونوں کی حماقت تھی ۔ انتقال سے چند ماہ پیشتر ایک دن یونیورسٹی کے دفتر کے سامنے کھڑے تھے ۔ سر پر ترکی ٹوپی ، بھری سی ترشی ہوئی داڑھی جس میں باقاعدہ خضاب کرتے تھے ۔ شیروانی اور آڑا پاجامہ پہنے ۔ ہاتھ میں ایک چھڑی لئے کھڑے تھے ۔ مجھے انہیں دیکھ کر کشش ہوئی ، اور کیوں نہ ہوتی ۔ مدۃ العمر کے دوست ہم ذوق ۔ استاد بھائی اور راہِ ادب کے ہمسفر تھے ۔ میں نے آگے بڑھ کر بے تکلف اپنی چھڑی سے ان کی توند پر ٹھو کا دیا اور کہا : کیا حال ہے مولوی "

www.taemeernews.com

یہ سن کر ان کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور مجھے بڑے زور سے لپٹا لیا۔ کہنے لگے۔ "کم بخت۔ ساری عمر ضد میں ضائع کر دی۔" میں نے کہا۔ "میں اور ضد؟" کیا میں کوئی نجیب آبادی روہیلا ہوں کہ ضد پر پوری عمر قربان کر دوں۔ یہ سب تمہارا اڈیل پنا تھا ورنہ میں تو ہر وقت ملنے کے لئے تیار تھا۔ اس کے بعد ادھر اُدھر کی باتیں ہونے لگیں اور پرانے دوستوں کی باتوں میں جو خاص لذت اور خاص اشارات ہوتے ہیں وہ اہل ذوق سے پوشیدہ نہیں۔ اس کے بعد دو تین دفعہ اسی طرح سرراہ ملے یہاں تک کہ ایک دن یہ سن کر دل بیٹھ گیا کہ تاجور بھی رخصت ہوئے۔

پنڈت ہری چند اختر میرؔ کا یہ شعر یوں پڑھا کرتے تھے۔ ؎

اے حبِ جاہ والو۔ جو آج تاجور ہے
کل اس کو دیکھنا تم نے تاج ہے نہ سر ہے

انہوں نے بھی مولانا تاجور کی موت کی خبر سنی تو پندرہ منٹ تک بالکل مبہوت بیٹھے رہے۔ اور پھر مولانا کی محبت۔ ان کی عداوت۔ ان کے جھگڑوں ان کے رسالوں ان کے شعر اور ان کی ایڈیٹری کی باتیں جو چلیں تو گھنٹوں گزر گئے۔

www.taemeernews.com

www.taemeernews.com

چراغ حسن حسرت

۱۹۲۷ء کا ذکر ہے ایک دوست نے مجھ سے کہا کہ کلکتہ میں ایک بزرگ سے بہت ضروری کام ہے۔ اگر وہاں آپ کے کوئی جاننے والے ہوں تو ——— ان کے نام ایک سفارشی خط لکھ کر مجھے دیجیے تاکہ کلکتہ جا کر حصول مرام کی کوشش کروں۔ میں نے کہا۔ کلکتہ میں مولانا ابوالکلام آزاد کے سوا میرا کوئی جاننے والا نہیں ہے اور اس قسم کے کام کے لئے مولانا کو تکلیف دینا مناسب نہیں معلوم ہوتا البتہ ایک شخص چراغ حسن حسرت کاشمیری ہے جو کلکتہ کے روزنامہ "نئی دنیا" میں "کلبس" کے نام سے افکار و حوادث جیسا کالم لکھتا ہے، اس کی تحریر کے بانکپن سے معلوم ہوتا ہے کہ میری اور اس کی روحیں اس دنیا میں آنے سے پہلے کہیں ملی ہیں اور ان کے درمیان

www.taemeernews.com

گہرے تعلقات رہے ہیں۔ اس کا ذوق ادب و مزاح یہ ظاہر کرتا ہے کہ وہ بہت ہی پیارا اور پیار کرنے والا انسان ہوگا۔ خشک طبع اور بے مروت نہ ہوگا۔

دوست نے کہا کہ اگر آپ کو ایک ناآشنا پر اتنا ہی بھروسا ہے تو اسی کے نام خط لکھ دیجیے چلیے یہ ایک تجربہ ہی سہی۔ میں نے حسرت کے نام خط لکھ دیا۔ اور دوست اسے لیکر کلکتہ چلے گئے۔ حسرت صاحب نے میرے دوست کی مخلصانہ پذیرائی کی۔ اٹھ کر خود ساتھ گئے اور ان کا کام بالکل احسن اور اطمینان بخش طریق پر انجام دے دیا۔ یعنی میرا اندازہ جو اتنی دور سے لگایا گیا تھا سو فیصدی درست نکلا۔

حسرت لاہور میں

اس واقعہ کو ایک آدھ مہینا ہی گزرا ہوگا کہ ایک دن ایک بالا بلند۔ گندمی رنگ۔ کالی اور گھنی مونچھوں والا آدمی سوٹ پہنے ہوئے دفتر "انقلاب" میں مجھ سے ملنے آیا۔ اور کہنے لگا۔ میں چراغ حسن حسرت ہوں۔ میں اچھل کر یوں بغلگیر ہوا۔ گویا ہم بچپن کے ساتھی اور دوست تھے۔ پوچھا آپ یہاں کہاں؟ کہنے لگے میں تو کلکتہ چھوڑنے پر آمادہ نہ تھا۔ لیکن مولوی ظفر علی خاں نے مولانا ابوالکلام آزاد سے کہلوایا کہ "زمیندار" میں چلے جاؤ۔ مولانا کا حکم میرے لئے واجب التعمیل تھا۔ لہذا چلا آیا ہوں اور چند روز سے "زمیندار" میں کام کر رہا ہوں۔ دوران گفتگو میں حسرت نے کہا۔ سالک صاحب تعجب ہے زمیندار والوں سے آپ کی ان بن کیوں ہوگئی۔ مولوی صاحب اور اختر دونوں بہت ہی پرتپاک اور محبت پرور ہیں۔ میں نے کہا اس میں کوئی

www.taemeernews.com

شک نہیں اور اسی وجہ سے میں نے "زمیندار" میں سات سال گزار دیئے۔ لیکن اب وہ پرانی کیفیت نہیں رہی۔ آپ بھی بہت زیادہ خرمی کا اظہار نہ کیجئے۔ ؎

چو می بینم کسے از کوئے او دلشاد می آید
فریبے کز دے اول خوردہ بودم یاد می آید

ابھی حسرت صاحب نے ایک آدھ مہینہ ہی "زمیندار" میں کام کیا تھا کہ تپ محرقہ نے آن گھیرا۔ پردیس کا معاملہ۔ کس پرسی کے عالم میں پڑے رہتے۔ نہ کوئی خبر لیوا نہ پانی دیوا۔ اور اس پر طرہ یہ کہ "زمیندار" سے واجبات بھی وصول نہ ہوئے۔ پھر وہ دوبارہ زمیندار میں نہیں گئے۔

دارالاشاعت میں

میں نے گلاب چند کپور پبلشرز سے کچھ درسی کتابوں کی نظر ثانی کا کام حسرت صاحب کو دلوایا۔ اور اس کے ساتھ ہی مولوی ممتاز علی کی خدمت میں عرض کیا کہ آپ کو مدت سے اپنے اخباروں کے لئے کسی موزوں ایڈیٹر کی تلاش ہے — آپ چراغ حسن حسرت کو رکھ لیجئے۔ وہ بے حد موزوں رہیں گے۔ اعلیٰ درجے کے زبان دان اور تجربہ کار صحافی ہیں۔ چنانچہ مولوی صاحب نے حسرت صاحب کو وہی اسامی دے دی جس پر ۱۹۱۵ء سے ۱۹۱۷ء تک میں کام کرتا رہا تھا اور "پھول" اور "تہذیب نسواں" کی ترتیب میں ان سے مدد لینے لگے۔ اس تقرر سے چند روز پہلے چند ہفتوں کے لئے حسرت نے "بندے ماترم" میں بھی کام کیا۔ لیکن اس کو حکومت نے بند کر دیا تھا۔

www.taemeernews.com

پھر اخبار نویسی

اس کے بعد حسرت صاحب کی مطمئن زندگی کا آغاز ہو گیا تھا لیکن دو سال گزرنے پر پھر روزانہ اخبار نویسی کا دورہ پڑا۔ اور احسان شہباز، انصاف وغیرہ میں کام کرتے رہے۔ اس دوران میں اپنا دلکش ہفتہ وار "شیرازہ" بھی نکالا جو اپنی وضع کا ایک ہی ادبی و فکاہی رسالہ تھا اور بڑے شوق سے پڑھا جاتا تھا۔ سردار سکندر حیات خاں کی وزارت کے زمانے میں اگرچہ حسرت نے اتحاد پارٹی پر بہت مزے مزے کی چوٹیں کی تھیں لیکن جب حکومت پنجاب نے "پنچایت" اخبار نکالا تو حسرت صاحب اس کے ایڈیٹر مقرر ہو گئے۔ اور اس کے بعد دوران جنگ عظیم میں فوج کے محکمہ تعلقات عامہ میں بھرتی ہو کر سنگاپور چلے گئے۔ میجر کی رینک تک پہنچے اور اختتام جنگ پر لاہور میں آ کر "امروز" کے ایڈیٹر مقرر ہوئے۔

عرب ہوٹل

میرے ساتھ حسرت کے تعلقات ہمیشہ گہرے دوستانہ و برادرانہ رہے ہم مذاقی کی وجہ سے کبھی اختلاف کی نوبت نہ آئی۔ اس دوران میں حسرت "عرب ہوٹل" (متصل اسلامیہ کالج) کی بالائی منزل میں رہتے تھے اور ہوٹل میں ان کی مجلس جمتی تھی۔ جہاں بعض احباب اور اسلامیہ کالج کے طلبہ ان کے گرد جمع رہتے اور ان کی ادبیت اور لطیفہ بازی سے محظوظ ہوتے۔ شادی ہو جانے کے بعد انہوں نے علیحدہ مکان لے لیا لیکن پھر بھی کبھی کبھی عرب ہوٹل آ جایا کرتے تھے۔

www.taemeernews.com

اسلوب انشا

زبان کے معاملے میں محاورہ اہل زبان کی پابندی حسرت کے لئے مذہب کا حکم رکھتی تھی۔ میں بھی اس بارے میں کافی محتاط ہوں۔ لیکن حسرت صاحب سے ہمیشہ یہ کہا کرتا تھا کہ "ماڈرن" اردو لکھا کرو۔ طلسم ہوشربا اور فسانہ آزاد کی اردو بلا شبہ پاکیزہ ہے۔ لیکن زبان کوئی کھڑے پانی کا جوہڑ نہیں بہتا دریا ہے۔ زمانہ حال میں اظہار و بیان کی ضرورتیں متقاضی ہیں کہ کچھ نئے محاورے نئی ترکیبیں اور جملوں کے نئے انداز اختیار کر لیے جائیں۔ لیکن حسرت اپنے مسلک سے ایک انچ بھی انحراف کرنے کو تیار نہ تھے۔ وہ متین و سنجیدہ۔ مزاحیہ — خالص ادبی و رومانی ہر قسم کی نثر لکھتے تھے۔ غزل بے حد پاکیزہ کہتے تھے۔ اور قواعد زبان اور اسالیب فن کی پوری پابندی کرتے تھے۔ ان کی مزاحیہ تحریروں کی خصوصیت یہ تھی کہ وہ الفاظ کے عجیب پہلو نکالتے اور بات میں بات پیدا کرتے۔ لطائف بہت کم بیان کرتے۔ لیکن احوال و واقعات پر تبصرہ کرتے ہوئے چھوٹے چھوٹے چٹکلوں کی بھرمار کر دیتے۔ مختلف علوم کے مبادی سے واقف تھے۔ اور تاریخ سے خاص ذوق رکھتے تھے۔ ان کی روزمرہ کی تحریریں پڑھنے سے ان کی وسعت معلومات کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ کہیں کسی مرض یا علاج کا ذکر ہے تو طب کی اصطلاحات کا انبار لگا رکھا ہے۔ فلسفہ و حکمت کا کوئی مسئلہ بیان ہو رہا ہے تو افلاطون و ارسطو سے لیکر کانٹ اور ہیگل تک کا تذکرہ یوں کیا جا رہا ہے گویا فلسفے کے پروفیسر ہیں کسی تاریخی مسئلہ پر بحث ہے تو نہایت مستند معلومات

www.taemeernews.com

پیش کی جارہی ہیں، گو ان علوم میں درخود انی نہ رکھتے ہوں۔ لیکن تحریر کی رنگارنگی اور معلومات کی جج آوری سے پڑھنے والے مرعوب ضرور ہوجاتے تھے۔

کافی ہاؤس

"عرب ہوٹل" کے بعد حسرت کی نشست "کافی ہاؤس" میں منتقل ہوگئی۔ ان کی عادت تھی کہ ہمنشینوں میں سے کسی کی ذراسی غلطبات کو بھی نظرانداز نہ کرتے اور الجھ جاتے۔ میں ان کو نوجوانوں سے بحث کرتے دیکھتا تو کہتا حسرت صاحب ان لڑکوں کی باتوں پر نہ جائیے۔ ایک تو ان کی معلومات کم۔ دوسرے یہ آپ سے باتیں سننے کے لیے آپ کو جان بوجھ کر مشتعل بھی کرتے ہیں اور آپ ان کے جال میں پھنس جاتے ہیں۔ لیکن حسرت ہرگز خاموش نہ رہتے اور اکثر اچھی خاصی ہنگامہ آرائی کا سامان پیدا ہوجاتا۔ لیکن نوجوان ان سے محبت بھی بے حد کرتے۔ کیونکہ حسرت صاحب کے دل میں کسی کی طرف سے ذراسی کدورت بھی باقی نہ رہتی تھی اور خلوص و محبت کے تعلقات لڑائی کے چند لمحوں ہی کے بعد دوبارہ قائم ہوجاتے۔

پابندی وضع

"امروز" میں انہوں نے جس محنت سے کام کیا۔ نوجوان رفقائے کار کی تربیت جس شفقت سے کی اور پھر انہی کی خاطر سات سو روپے کی نوکری پر جس بے نیازی سے لات ماردی وہ اب تک احباب کے حافظہ میں تازہ ہے۔ مالک اخبار امروز ایوب احمد کرمانی (نائب مدیر) کو علیحدہ کر رہے تھے حسرت صاحب

www.taemeernews.com

اس علیحدگی کے مخالف تھے۔ مالک نے ضد کی۔ اور اپنے استحقاق پر زور دیا حسرت بحیثیت مدیر اپنے اختیار پر مصر ہوئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ آٹھ رفیقوں کو ساتھ لے کر امروز سے الگ ہو گئے۔ اور اختیاراتِ ادارت کے معاملے میں مفاہمت پر آمادہ ہوئے۔

کراچی میں ریڈیو کے محکمے نے ان کو بارہ سو روپے ماہانہ پر "فلنگ پروگرام" کی ترتیب سپرد کی۔ چھ ماہ کے بعد وہ پروگرام موقوف کر دیا گیا اور حسرت صاحب نے امریکن پبلشنگ کمپنی "سلور برڈٹ" کی درسی کتابوں کے ترجمے کا کام سنبھالا۔ جسے نہایت خوش اسلوبی سے انجام دیا۔ اس کام کے اختتام پر لاہور آ گئے۔ ڈیڑھ سال عوارضِ قلب میں مبتلا رہے۔ ساری جمع پونجی ختم ہو گئی اور ناداری میں انتقال کیا۔ آخری چند ماہ "نوائے وقت" میں "حرف و حکایت" کا کالم لکھتے رہے اور اسی کے معاوضے پر معیشت کا مدار رہا۔

حسرت اور ترنم

شاعر بہت اچھے تھے لیکن مشاعروں میں پڑھنے سے گریز کرتے تھے انہیں احساس تھا کہ ان کی آواز صرف احباب کی محفلوں میں شعر سنانے کے قابل ہے۔ مجمع عام میں اس کا اثر اچھا نہ پڑے گا اور حاضرین مشاعرہ جن میں اکثریت بے عنان نوجوانوں کی ہوتی ہے، غل مچا کر ان کے کلام کو غارت کر دیں گے۔ حسرت صاحب کی آواز بھاری تھی۔ تحت اللفظ خوش آئند طور پر پڑھتے تھے۔ البتہ ترنم کی کوشش میں بد آہنگ ہو جاتے تھے۔ پرائیویٹ صحبتوں میں ہم لوگ اصرار کر کے ان سے عربی اور فارسی انشاد کی نقل سنا کرتے تھے جو بے حد سامعہ فرسا لیکن نہایت قہقہہ انگیز ہوتی تھی مجلس میں

www.taemeernews.com

عام طور پر خاموش بیٹھے رہتے تھے اور یہ مہر سکوت دو ہی حالتوں میں ٹوٹتی تھی، ایک اس وقت جب کوئی نوجوان ادب و شعر کے معاملے میں کوئی خامکارانہ رائے ظاہر کرتا۔ دوسرے اس وقت جب حسرت صاحب عالم کیف میں ہوتے اور خواہ مخواہ بولنے اور للکارنے کو جی چاہتا تھا۔

جدید شاعری کے مخالف تھے۔ چنانچہ اس کے متعلق ان کی "پیروڈیاں" مشہور ہیں۔ "امروز" میں تین سال ایڈیٹری کرنے کے باوجود وہ کمیونزم، ترقی پسند ادب اور دوسرے جدید رجحانات کو کبھی سو فیصدی اپنا نہ سکے بلکہ اپنے خیالات و عقائد پر پختگی کے ساتھ قائم رہے یہاں تک کہ جب "اوپن ایئر تھیٹر" میں جنگجو ترقی پسندوں کی کانفرنس حسرت صاحب کی صدارت میں منعقد ہوئی جب بھی خطبۂ صدارت میں انہوں نے اپنی انفرادیت اور قدامت پسندی کا صاف اعلان کر دیا۔ وہ "امروز" کو اپنے مسلک کے مطابق مرتب کرتے تھے۔ اور اس معاملے میں میاں افتخارالدین کی رائے کو بھی غیر مشروط طور پر ماننے کو تیار نہ ہوتے تھے۔

"ظہیر الحسن اور پیر سعید"

"امروز" کی ایڈیٹری کے زمانے میں حسرت کو ایک شدید پریشانی کا سامنا کرنا پڑا۔ ایک بدبخت "پیر" سعید ان کے صاحبزادے ظہیر الحسن کو ورغلا کر لے گیا اور حسرت صاحب اپنے لختِ جگر کی تلاش میں خدا جانے کہاں کہاں ٹکریں مارتے پھرے۔ پیر سعید اور اس کے ساتھیوں کے متعلق ہولناک واقعات سننے میں آتے تھے۔ مثلاً یہ کہ وہ نو عمر بچوں کو متاثر کر کے ان سے چوری وغیرہ کراتا ہے اور

www.taemeernews.com

جس وفات کوئی خطرہ کی صورت پیدا ہوتی ہے تو ان کو ہلاک کر کے کسی جنگل میں دفن کر دیتا ہے۔ حسرت صاحب اور بیگم حسرت کی حالت بہت ہی خراب تھی۔ گیارہ بارہ سال کا اکلوتا بیٹا غائب ہو گیا تھا اور قرائن سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ مارا جا چکا ہے۔ آخر دوستوں کی دعاؤں اور کوششوں سے حسرت صاحب بچے کو تلاش کرتے کرتے ایسے مقام پر جا پہنچے جہاں پیر سعید بھی موجود تھا اور بچہ بھی اگر ایک آدھ گھنٹہ اور حسرت صاحب وہاں نہ پہنچتے تو وہ بچے کو ہلاک کر چکا ہوتا بچے کو گھر لائے۔ پیر سعید کے خلاف مقدمہ چلا جس میں بڑے خوفناک انکشافات ہوئے۔ آخر وہ پھانسی پر لٹک کر کیفر کردار کو پہنچ گیا۔ اور اللہ تعالیٰ نے صرف ظہیر الحسن ہی کی جان نہ بچائی بلکہ حسرت صاحب کو ایک اور فرزند بھی عطا فرمایا۔

توبۃ النصوح

حسرت کو مدۃ العمر ناؤ نوش کے مشاغل سے واسطہ رہا۔ اور سگرٹ تو وہ دن بھر میں سو سو پی جاتے تھے۔ ان بے اعتدالیوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ عارضہ قلب میں مبتلا ہو گئے۔ پہلے بھی کبھی کبھی دورہ پڑ جاتا تھا۔ لیکن ۱۹۵۳ء کے اواخر میں جب وہ کراچی سے لاہور آ گئے، تو ایک آدھ مہینے کے بعد انہیں بخار ہوا جو ٹائیفائڈ ثابت ہوا۔ اس ٹائیفائڈ کے دوران میں پھیپھڑوں پر نمونیا کا اثر بھی ہو گیا اور ایک دن دفعتہً عارضہ قلب (تھرومبوسس) کا دورہ پڑا۔ دیکھتے ہی دیکھتے حالت نازک ہو گئی۔ میو ہسپتال میں داخل کئے گئے اور ڈاکٹر کرنل الٰہی بخش نے انتہائی توجہ اور محنت سے علاج شروع کیا۔ فروری ۵۴ء میں یہ بھی کراچی سے واپس آ گئے

www.taemeernews.com

جب حسرت کو دیکھنے گیا۔ تو بیہوش تھے۔ آکسیجن دی جارہی تھی اور ڈاکٹر کچھ زیادہ پُرامید نہ تھے۔ لیکن دوسرے تیسرے دن گیا تو ہوش میں تھے ــــ کہنے لگے سالک صاحب آپ میرے بزرگ ہیں۔ میں نے آپ کا احترام اور ادب ہمیشہ بزرگ سمجھ کر کیا ہے۔ آپ میرے لئے دعا کیجئے۔ میں نے کہا۔ اگر آپ ناؤ نوش کے مشغلے سے توبہ کرلیں تو مجھے یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو شفا دے دے گا۔ اس پہ نہایت خلوص دل سے توبہ کی اور کہا۔ اور تو اور میں عمر بھر سگرٹ تک نہ پیوں گا۔ اس دن سے حسرت صاحب کی حالت روز بروز بہتر ہونے لگی۔ یہاں تک کہ دو ماہ کے اندر وہ تندرست ہوکر ہسپتال سے گھر چلے آئے۔

اس میں شک نہیں کہ حسرت صاحب کی یہ توبہ توبۃ النصوح تھی۔ اس کے بعد انہوں نے سگرٹ تک نہیں پیا۔ کافی ہاؤس میں آتے لیکن کافی نہ پیتے۔ کبھی کبھی ایک آدھ پیالی چائے کی نوش کرتے اور کھانے میں پرہیز و احتیاط بدرجۂ اتم کرتے۔ یہ صورت تادم مرگ قائم رہی۔

ایک لمحے میں انتقال

ایک تو قلب کا عارضہ ــــ دوسرے روپے پیسے کی قلت ــــ تیسرے عزیزوں اور مہمانوں کی آؤ بھگت ــــ چوتھے۔ یوم آخر سے پندرہ دن پہلے ظہیر الحسن کا بلا اجازت گھر چھوڑ کر چلے جانا اور پندرہ دن تک غائب رہنا۔ ان وجوہ سے حسرت کی موت کا دن قریب تر ہو گیا۔ اور ایک دن جب وہ کھانا

www.taemeernews.com

کھانے کے بعد اپنے فرزند ظہیر الحسن کے ساتھ ہی قیلولہ کر رہے تھے۔ بے چین ہو کر اٹھے۔ ایک لمبا سانس لیا اور وہ ان کا آخری سانس تھا۔

ایک باوضع انسان۔ با مروت
دوست۔ بلند پایہ انشا پرداز۔
زبان دان اور شاعر۔ نامور اخبار نویس
اور محفل آرا آدمی صرف پچاس برس
کی عمر میں ہماری مجالس کو سونا کر گیا
اس کی یاد مدتوں تک دلوں کو تڑپاتی
رہے گی۔

www.taemeernews.com

www.taemeernews.com

ڈاکٹر تاثیر

بیسویں صدی کے آغاز میں تعلیم یافتہ مسلمانوں کے دو طبقے تھے۔ ایک وہ جو علوم و السنہ مشرقیہ میں درخور وافی رکھتے تھے۔ لیکن انگریزی زبان اور علوم حاضرہ سے بالکل بیگانہ تھے۔ دوسرا طبقہ ان جدید تعلیم یافتہ نوجوانوں پر مشتمل تھا جو انگریزی کے بغیر ٹکڑا نہ توڑتے تھے۔ اور اردو فارسی۔ عربی کے ذخائر ادبی کی افادیت سے مکمل اور دینیات سے بیگانہ محض واقع ہوئے تھے۔ دیوبند اور علی گڑھ ان دونوں طبقوں کے مرکز تھے۔ علی گڑھ کے پڑھے لکھے تو پھر بھی کسی حد تک مشرقیت کا دم بھرتے تھے لیکن مدارس دینیہ کے فیض یافتہ علوم جدیدہ اور حالات حاضرہ کے تقاضوں سے بالکل ہی ناآشنا تھے۔ ڈاکٹر اقبال غالباً پہلے نمایاں اور ممتاز نوجوان تھے جو اس معاملے میں مجمع البحرین

www.taemeernews.com

کی حیثیت رکھتے تھے۔ اور ایم۔ اے پی۔ ایچ ڈی اور بیرسٹر کے ساتھ ہی ساتھ مشرقی علوم و السنہ اور دینیات کے بھی بدرجۂ اتم ماہر تھے۔ ان کے نقشِ قدم پر چل کر پنجاب کے جن نوجوانوں نے علم کے ان دونوں پہلوؤں سے بیک وقت رابطہ استوار کیا۔ ان میں خلیفہ عبدالحکیم، سید احمد شاہ بخاری اور ڈاکٹر تاثیر کے نام ممتاز ہیں۔

نیرنگِ خیال میں

حکیم یوسف حسن صاحب نے رسالہ "نیرنگِ خیال" جاری کیا۔ تو ابتدا ہی سے اس کی ایک خصوصیت نمایاں ہوئی کہ اس میں عبدالرحمٰن چغتائی کی تصاویر اور ان پر محمد دین تاثیر ایم۔ اے کے تنقیدی و تعارفی نوٹ شائع ہوتے تھے۔ اس سے قبل میں نے رسالہ "الناظر" (لکھنؤ) میں بعض ادبی مسائل پر محسن تاثیر ایم اے از لاہور" کے مضامین پڑھے تھے۔ لیکن مضمون نگار کا سراغ نہ مل سکا تھا۔ ایک دن میں نے سید احمد شاہ بخاری سے پوچھا کہ یہ محمد دین تاثیر کون صاحب ہیں۔ پڑھے لکھے آدمی معلوم ہوتے ہیں۔ انہوں نے بتایا کہ تاثیر خاص قابلیتوں کا نوجوان ہے۔ تعجب ہے کہ اب تک آپ سے اس کی ملاقات نہیں ہوئی۔ چلئے ابھی تاثیر کے ہاں چلیں۔ چنانچہ ہم محلہ بارود خانہ میں میاں نظام الدین مرحوم کے دولت کدہ پر گئے۔ وہاں ایک بالاخانے پر تاثیر صاحب سے ملاقات ہوئی۔ ایک موٹے موٹے خدوخال کا جوان بے پروا نظر آیا۔ جس کی ایک ایک بات اور ایک ایک حرکت سے خلوص ٹپکتا تھا۔ گفتگو ہوئی تو معلوم ہوا کہ مطالعہ بے حد وسیع ہے اور صرف مغربی ادب و فن ہی تک محدود نہیں بلکہ اردو اور فارسی کے ذخائرِ علم و ادب میں بھی خاصی دسترس حاصل ہے

www.taemeernews.com

عبدالرحمٰن چغتائی کے آرٹ کا تعارف اردو دان طبقے سے "تاثیر" ہی نے کرایا اور مضامین لکھ لکھ کر لوگوں کو آرٹ کے جدید رجحانات کی طرف توجہ دلائی۔

انگلستان میں

اس کے بعد اکثر ملاقاتیں ہونے لگیں۔ جس زمانے میں علامہ عبداللہ یوسف علی اسلامیہ کالج لاہور کے پرنسپل تھے تاثیر صاحب ان کے ماتحت انگریزی ادب کے لکچرر مقرر ہوئے اور اپنی دلآویز شخصیت، شعر و شاعری اور مدرسی قابلیت کی وجہ سے طلبہ میں بیحد مقبول ہو گئے۔ کچھ مدت بعد مزید تعلیم کے لئے کیمبرج (انگلستان) چلے گئے، اور وہاں سے پی۔ ایچ۔ ڈی کر کے آئے۔ یورپ میں قیام کے دوران میں جن احباب کو طول طویل خطوط سے نوازتے تھے، ان میں میں بھی شامل تھا اس زمانے میں تاثیر پر اشتراکیت اور ترقی پسندی کا بہت غلبہ تھا لیکن اظہار خیالات میں کبھی حدود سے تجاوز نہ کرتے تھے۔

اقبال نے نکاح پڑھایا

انگلستان سے واپس آئے تو ڈاکٹریٹ کے علاوہ ایک خاتون بھی ساتھ لے آئے۔ جن سے ازدواج طے ہو چکا تھا۔ میاں نظام الدین مرحوم پرانے وضعدار بزرگ تھے، اس معاملے پر جز بز تو ہوئے لیکن علامہ اقبال کے سمجھانے سے رضامند ہو گئے اور ڈاکٹر تاثیر کا نکاح کرنبل کے ساتھ ڈاکٹر اقبال نے خود پڑھایا۔ ڈاکٹر تاثیر ایم اے او کالج امرتسر کے پرنسپل مقرر ہوئے۔ وہیں فیض احمد فیض لکچرر ہوئے

www.taemeernews.com

امرت سر ہی میں فیض اور ایلس کی شادی ہوئی۔ اور تاثیر اور فیض ایک دوسرے کے ہم زلف بن گئے۔

جنگی نشریہ

جنگ کے زمانے میں برلین (جرمنی) سے جنگی خبروں پر اردو میں تبصرہ نشر ہوا کرتا تھا۔ آل انڈیا ریڈیو نے قرار دیا کہ ہفتے میں ایک دفعہ یہاں سے اس تبصرے کا جواب "ڈھول کا پول" کے عنوان سے دیا جائے۔ قرعہ فال ڈاکٹر تاثیر کے نام پر پڑا۔ چنانچہ ڈاکٹر صاحب کا تبصرہ بہت دلچسپ ہوتا تھا۔ اسی دوران میں وہ سری پرتاپ کالج سری نگر کے پرنسپل مقرر ہو گئے۔ اور یہ فرض میرے سپرد ہوا۔ اب اس تقریر کا عنوان "برلین کی خبریں" تھا۔ اور ملک بھر میں اس تقریر کا چرچا ہوا کرتا تھا

سیاسی طور پر مشتبہ

سر سکندر حیات خاں کی وزارت کے زمانے میں گورنمنٹ کالج لاہور میں انگریزی کے پروفیسر کی اسامی خالی ہوئی۔ تاثیر نے کہا کہ اس کے حصول کی کوشش کرنی چاہیئے۔ چنانچہ میں نے اور مہر صاحب نے میاں عبدالحئی وزیر تعلیم اور سر سکندر کو تاثیر کے حق میں قائل کرنے کی شدید کوشش کی۔ اور تین چار دن صبح سے شام تک اسی چکر میں رہے۔ آخر سر سکندر نے کانفیڈنشل طور پر ہمیں بتایا کہ تاثیر صاحب کے متعلق بین الاقوامی نظامِ خفیہ کی رپورٹ اچھی نہیں ہے اور کمیونسٹ

www.taemeernews.com

مفکروں اور کمیونسٹ مطبوعات سے ان کا تعلق بہت گہرا بنایا جاتا ہے۔ اس لئے انگریز انہیں گورنمنٹ کالج میں ملازمت دینے پر آمادہ نہیں ہیں، یہ سن کر ہم خاموش ہو گئے اور ڈاکٹر لطیف (صوبہ سرحد) گورنمنٹ کالج میں لے لئے گئے۔

محبِ وطن تاثیر

پاکستان قائم ہونے سے پہلے ہی ڈاکٹر تاثیر کمیونزم اور ترقی پسند ادب کی لیڈری سے برگشتہ ہو چکے تھے۔ اور اپنے بعض احباب مخلص کے ساتھ مل کر بعض خدمات قومی بھی انجام دے رہے تھے۔ مثلاً انہوں نے شیخ محمد عبداللہ (قائد کشمیر) اور قائداعظم کی ملاقات کرانے کے لئے بے حد محنت کی اور فریقین کو آمادہ کر لیا۔ لیکن آخر میں دونوں نے بعض "اصولوں" کے پیش نظر ملاقات سے پہلوتہی کر کے تاثیر کو سخت مایوس کر دیا۔ کشمیر کے لیڈروں کے ساتھ تاثیر کے گہرے تعلقات تھے اور وہ اکثر ان سے مشورہ کیا کرتے تھے۔ پاکستان قائم ہونے کے بعد ڈاکٹر تاثیر نے "پاکستان مبارک" کے عنوان سے ایک سلسلہ مضامین "پاکستان ٹائمز" میں لکھا جس کے لفظ لفظ سے ان کی حب وطن اور تعمیری ذہنیت کا ثبوت ملتا ہے۔

زبان میں آزادانہ روش

تاثیر کی شاعری میں جدید و قدیم کا نہایت لطیف امتزاج پایا جاتا ہے۔ ابتدائی غزلوں میں ان کا مخصوص رنگ تو موجود ہے لیکن بعض مقامات پر زبان خلاف محاورہ

www.taemeernews.com

ہوگئی ہے۔ اور کہیں کہیں فن کے تسامحات بھی پائے جاتے ہیں۔ میں ہمیشہ انہیں ان باتوں پر ٹوکا کرتا تھا لیکن وہ ہنس کر ٹال دیا کرتے تھے۔ کیونکہ آج کل کے ادیبوں اور شاعروں کی خود رائی کا کچھ اثر ان میں بھی تھا یعنی غلطی کرتے تھے۔ جان بوجھ کر کرتے تھے اور پھر اس کی صحت پر اصرار کیا کرتے تھے۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے۔ مجھ سے کہنے لگے "سالک صاحب۔ کیا "ہم نے جانا ہے" "ہم نے کرنا ہے"۔ لکھنا درست ہے؟ میں نے کہا خلاف محاورۂ اہل زبان ہے۔" مجھ کو جانا ہے اور مجھ کو کرنا ہے" درست ہے۔ کہنے لگے میں نے اپنی تحریروں میں متعدد بار اس قسم کے فقرے لکھے ہیں۔ اگر کوئی اہل زبان اعتراض کرے تو اس کو کیا جواب دوں؟ میں نے کہا غلطی کا جواب کیا ہوگا۔ صاف کہئے کہ مجھ سے غلطی ہوگئی۔ ہنس کر کہنے لگے "نہیں۔ میں صرف اس لئے پوچھ رہا ہوں کہ ایسا جواب دے سکوں جو بظاہر معقول ہو" میں نے کہا۔ بھائی۔ غلطی کو حق بجانب ثابت کرنے کے لئے جو جواب دیا جائے گا وہ تو محض سخن طرازی اور کج بحثی ہوگی کہنے لگے کچھ بھی ہو۔ آپ اس کا جواب مجھے بتا دیجئے۔ میں نے کہا۔ آپ یہ کہئے، کہ "نے" علامت فاعلی ہے اور "کو" علامت مفعولی۔ اگر "جانا ہے" کا فاعل میں ہے تو اس کے بعد "نے" ہی درست ہے۔ "کو" کیونکر درست ہو سکتا ہے۔ سن کر اچھل پڑے۔ اور کہا بس ٹھیک ہے۔ اب میں جواب دے لیا کروں گا۔ میں نے کہا۔ شوق سے دیجئے لیکن محاورے کے اعتراض کا جواب قواعد سے اور قواعد کے اعتراض کا جواب محاورے سے دینا اصول لسانیات سے تو درست نہ ہوگا۔

www.taemeernews.com

ہزار پہلو شخصیت

تاثیر بے حد روشن طبع اور عالی دماغ آدمی تھے۔ ان کی ذہانت و طباعی بمثال تھی۔ شاعروں میں شاعر۔ فلسفیوں میں فلسفی۔ ادیبوں میں ادیب۔ نقادوں میں نقاد۔ معلموں میں معلم اور صرف یہی نہیں بلکہ رندوں میں رندِ لم یزل۔ مجلس یاراں میں بریشم کی طرح نرم۔ اور لڑائی میں فولاد کی طرح سخت۔ معاصرانہ نوک جھونک اور کشمکش و چپقلش کے عاشق۔ ان کی ظرافت محفل آرا تھی اور طنز بے پناہ۔ شعر و سخن میں پرانے انداز و تخیل کی خوبیوں کے بھی دلدادہ۔ اور نئے اسالیب فکر اور جدید طریقہائے اظہار کے بھی قدردان۔ ادب اور آرٹ کی تنقید میں انہوں نے اردو کے انشاپردازوں کو نئے راستے دکھائے اور ان کے روابط صرف شاعروں اور ادیبوں ہی تک محدود نہ تھے۔ بلکہ ماہرین تعلیم۔ ارباب سیاست۔ ارکان صحافت سبھی سے گہری چھنتی تھی اور سبھی ان کی گوناگوں قابلیتوں اور صلاحیتوں کے شیفتہ تھے۔

زمیندار و انقلاب کی جنگ

ان کا دماغ اور قلم نچلا بیٹھنا نہ جانتا تھا۔ زندگی میں جمود اور ٹھیراؤ کے قائل نہ تھے۔ اور کچھ نہیں تو فرضی ناموں سے اخباروں میں کسی کے خلاف مضمون نگاری کر رہے ہیں۔ نظمیں لکھ رہے ہیں اور ہم قلم لوگوں کو چھیڑ چھیڑ کر خوش ہو رہے ہیں۔ جس زمانے میں "انقلاب" اور "زمیندار" کے درمیان تحریری

www.taemeernews.com

جنگ ہو رہی تھی۔ تاثیر "انقلاب" کے جھنڈے تلے تھے۔ اور "نظامی قدوسی ایم اے" کے فرضی نام سے مولانا ظفر علی خاں اور "زمیندار" کے خلاف نہایت چبھتی ہوئی نظمیں لکھکر "انقلاب" میں چھپواتے تھے۔

پاکستان قائم ہونے کے بعد جب ڈاکٹر تاثیر اسلامیہ کالج لاہور کے پرنسپل تھے۔ اکثر اپنے کام سے فارغ ہو کر مجھے ٹیلیفون کرتے اور کہتے کہ اگر آپ فارغ ہوں تو میں آجاؤں؟ میں کہتا تھا۔ بسم اللہ۔ دفتر "انقلاب" میں آکر بیٹھتے۔ تو گھنٹوں گفت و شنید کا ہنگامہ برپا رہتا۔ بیچاری "کرس" کھانے پان کا انتظار کرتی۔ اور اسلامیہ کالج۔ میاں امیر الدین۔ ایس۔ ایم۔ شریف (ڈائرکٹر تعلیم) یونیورسٹی اور خدا جانے کہاں کہاں ٹیلیفون کر کے ان کا سراغ لگانے کی کوشش کرتی۔ آخر وہ دفتر "انقلاب" میں ملتے۔ اور پھر ان دونوں کی ٹیلیفونی لڑائی قابل دید ہوتی اپنی بچیوں پر وہ جان چھڑکتے تھے۔ اور گھر میں ان کے ساتھ لاڈ پیار کے بعد مطالعہ وغیرہ کے لئے بہت ہی کم وقت نکال سکتے۔

حسرت اور تاثیر کی نظم بازی

وہ اخباری لڑائی تو بہت سے دوستوں کو یاد ہو گی جو ان کے اور چراغ حسن حسرت کے درمیان ہوئی۔ صرف یہی نہیں کہ تاثیر صاحب کمیونزم اور اس کے متعلقات سے کاملاً برگشتہ ہو چکے تھے بلکہ ان کی مخالفت میں سرگرم تھے مولانا چراغ حسن حسرت کمیونسٹ نہ تھے۔ لیکن "امروز" کے ایڈیٹر ہونے کی وجہ سے لامحالہ میاں افتخار الدین کی رعایت پر مجبور تھے۔ اگرچہ تاثیر اور حسرت کی دوستی پرانی اور گہری تھی اور "ہم مشربی"

www.taemeernews.com

کی وجہ سے اس میں اور بھی چار چاند لگ گئے تھے۔ لیکن تاثیر کو تو لڑنا تھا خواہ مقابل پر کوئی دوست ہی آجائے۔ چنانچہ انہوں نے اپنے نام سے بھی اور بعض فرضی ناموں سے بھی نظمیں لکھنی شروع کیں جن میں "کمیونسٹ اخبار" اور حسرت اور افتخار الدین پر بے پناہ چوٹیں ہوتی تھیں۔ اُدھر حسرت بھی پرانے پھکیت تھے۔ انہوں نے بھی مقابلے پر دھڑا دھڑ نظمیں جھاڑنی شروع کیں۔ یہاں تک کہ معمولی سی چھیڑ چھاڑ دو تین ہفتوں کے اندر ہی "گھمسان کا رن" بن گئی۔ تاثیر کی نظمیں زیادہ تر "مغربی پاکستان" میں اور حسرت کی "امروز" میں چھپتی تھیں۔ لاہور کے تماشبین اخبار بینی دونوں کو پڑھتے اور لطف اٹھاتے تھے۔

متارکہ ہو گیا

جب یہ "مناظمہ" لطیف چوٹوں سے بڑھ کر ذاتی حملوں اور مبتذل اشارات تک پہنچ گیا۔ تو ایک دن آغا شورش کاشمیری اور ایک دو اور نوجوانوں نے مجھ سے کہا کہ "اس ناگوار جنگ سے اہل ذوق بیزار ہو رہے ہیں۔ تاثیر اور حسرت دونوں آپ کے دوست ہیں۔ ان کو منع کیجئے۔" اس وقت تک حسرت نے نظموں کے علاوہ "حرف و حکایت" میں بھی تاثیر کے خلاف لکھنا شروع کر دیا تھا بلکہ انجمن حمایت اسلام سے ان کو اسلامیہ کالج کی پرنسپلی سے موقوف کرانے کی اپیل بھی کر دی تھی۔ میں نے حسرت سے کہا آپ تو بہت با اصول اور متین صحافت کے دعویدار ہیں۔ آخر یہ "امروز" میں کیا ہو رہا ہے۔ کیا یہی سنجیدہ صحافت ہے؟" وہ بہت بگڑے ہوئے تھے لیکن میرے اصرار پر مان گئے کہ اگر تاثیر باز آجائیں تو امروز میں کچھ نہ لکھا جائے گا۔ پھر

www.taemeernews.com

میں نے تاثیر صاحب سے کہا کہ آپ اتنے عالم و فاضل آدمی، ایک کالج کے پرنسپل اخبار نویس تو اپنی پگڑی رکھتے نہیں اور دوسرے کے سر سے اتارنے میں تامل نہیں کرتے۔ لیکن یہ جنگ و پیکار آپ کی شان کے لائق تو نہیں۔ کہنے لگے۔ آپ حکم دیں گے تو میں نہ لکھوں گا۔ لیکن حسرت اس رعایت کے قابل نہیں ہے۔ پھر میں نے مولانا میکش مدیر "مغربی پاکستان" سے کہا کہ آپ اب اس سلسلے میں کوئی چیز نہ چھاپیے۔ غرض راتوں رات یہ متارکہ مکمل ہو گیا اور صبح دونوں اخبار اس ناگوار جھگڑے سے پاک تھے۔ تاثیر اور حسرت کی یہ ساری نظمیں آغا شورش نے جمع کر کے "چٹان" میں چھاپ دیں تاکہ اس تاریخی جنگ کا ریکارڈ محفوظ ہے۔

اس کے بعد میرا ارادہ تھا کہ "متارکہ" کے بعد مصالحت بھی کرا دوں تاکہ دونوں دوست گلے مل جائیں لیکن میں سوچتا ہی رہا۔ اور تاثیر ایک دن دفعتہً حرکت قلب بند ہو جانے سے انتقال کر گئے۔ حسرت کو ان کی موت کا صدمہ خاص طور پر زیادہ ہوا۔ اس لئے کہ وہ تاثیر سے صلح نہ کر سکے اور دونوں کا سلسلہ کلام و سلام آخر تک منقطع ہی رہا۔

تصنیفات کی قلت

سب سے زیادہ دردناک بات یہ ہے کہ تاثیر تصنیف و تالیف کے اعتبار سے دوسرے معاصرین کے مقابلے میں تہی دست رہے۔ حالانکہ طبیعت کی روانی، فکر کی جولانی، معلومات کی ہمہ گیری اور تحریر کی سہولت تاثیر کو دوسروں سے بہتر حاصل تھی۔ وہ چاہتے تو ڈھیروں کتابیں لکھ جاتے اور لوگ ان کے علم و فن

www.taemeernews.com

سے مستفید ہوتے۔ صرف چند چھوٹے چھوٹے تنقیدی مضامین۔ کچھ نظمیں اور غزلیں ان کا سرمایۂ حیات ہیں۔ آخری ایام میں ایک چھوٹا سا ناول لکھا جس کو اپنے نام سے شائع کرنے کا ارادہ نہ تھا۔ لیکن احباب نے اس کو تاثیر ہی کے نام سے شائع کر دیا۔ "آتشکدہ" تاثیر کی نظموں اور غزلوں کا مجموعہ ہے جو پروفیسر حمید احمد خاں صاحب کی کوشش سے مرتب ہوا۔ اور سی بلقیس تاثیر نے شائع کر دیا۔

لیکن قلت تصانیف کے باوجود ان کا نام اور مقام اہل علم کی نگاہوں سے اوجھل نہیں ہو سکتا۔ اس لئے کہ نظم و نثر کے قلیل ذخیرے میں بھی ان کے محاسن فکری لفظ لفظ سے روشن ہیں۔ تاثیر کے صدہا شاگردان کی محبوب یاد کو سینے سے لگائے ہوئے ہیں۔ اور ان کے احباب کا تو یہ حال ہے کہ ممکن نہیں تاثیر کا ذکر آئے اور وہ آبدیدہ نہ ہو جائیں۔ ڈاکٹر اقبال بھی ان کی علمی صلاحیتوں کے مداح و قدردان تھے اور ایک ڈاکٹر صاحب ہی پر موقوف نہیں ملک بھر کے اہل علم تاثیر سے محبت کرتے تھے۔ انہوں نے پچاس برس کی عمر پائی۔ لیکن ان کی فکر کی جوانی۔ طبیعت کی شوخی اور چلبلاہٹ۔ ان کے بلند قہقہے۔ شعر و موسیقی سے ان کی بے خود انہ لطف اندوزی آخری دم تک قائم رہی۔

www.taemeernews.com

www.taemeernews.com

حامد حسین بیدل شاہجہانپوری

۱۹۱۸ء کا ذکر ہے کہ ایک صاحب سید حامد حسین بیدل شاہجہان پوری کہیں سے پھرتے پھراتے لاہور میں آ نکلے۔ حکیم فقیر محمد چشتی کے ہاں ان سے ملاقات ہوئی تو معلوم ہوا کہ مرد جہاں دیدہ ہیں اور علم و ادب میں درخور دانی رکھتے ہیں۔ لیکن لاابالی طبع ہونے کی وجہ سے تصنیف و تالیف کی طرف متوجہ نہیں ہو سکے۔ مولانا بیدل اردو۔ فارسی اور عربی میں خاصی مہارت رکھتے تھے۔ اردو اور فارسی میں شعر بھی پاکیزہ کہتے تھے۔ داغ سے تلمذ تھا۔ اور ایک مدت تک ان کے پاس رہ کر اپنے استاد بھائیوں کی غزلوں پر اصلاح بھی دیتے رہے تھے۔ یعنی نواب فصیح الملک کو اپنے اس شاگرد کے کمال فن پر اتنا اعتماد تھا کہ بعض دوسرے شاگردوں کی غزلوں

www.taemeernews.com

کو خود بنانے کے بجائے بیدل صاحب کے سپرد کر دیا کرتے تھے اور ان کی اصلاح کو کافی و وافی خیال فرماتے تھے۔

داغ کے علاوہ مولانا شبلی کی خدمت میں بھی مولانا بیدل کو خصوصی نیاز حاصل تھا۔ چنانچہ بیدل صاحب ہی نے اصرار کر کے مولانا سے ان کے فارسی کلام کا ایک مجموعہ "بوئے گل" مرتب کرایا تھا۔ خود مولانا شبلی نے اس مجموعے کے آغاز میں دو شعر لکھے ہیں، جو اس اصرار کا ثبوت ہیں۔ قطعہ ملاحظہ ہو ؎

ہر زہ چندے بہم بافتن و پیش کساں
عرضہ دادن نہ پسندیدۂ عاقل باشد
من ہم ایں کار نمی خواستم از دل اما
چہ تواں کرد چو فرمودۂ بیدل باشد

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ مولانا بیدل اپنے زمانے کے بزرگ ترین اہل علم کی نظروں میں بھی خاص وقعت رکھتے تھے۔

بیدل سے جن دنوں میری ملاقات ہوئی ان کی عمر کوئی پینتالیس کے لگ بھگ ہوگی۔ دوران گفتگو میں معلوم ہوا کہ وہ شاہجہانپور میں پیدا ہوئے۔ وہیں بچپن کا زمانہ گزرا۔ اہل علم کا گھرانا تھا۔ پرانے انداز پر تعلیم و تدریس ہوئی۔ ہوش سنبھالا تو آگرہ کے ایک سکول میں مدرس ہو گئے۔ شادی ہوئی تو دلہن سے محبت درجۂ عشق تک پہنچ گئی۔ لیکن ایک ہی سال بعد اس پیکر حسن و خوبی کا انتقال ہو گیا۔ بیدل صاحب کی آنکھوں میں دنیا اندھیر ہو گئی۔ ملازمت چھوڑ چھاڑ کر گھر بار کو تج دیا۔ اور جوش جنوں میں نکل کھڑے ہوئے۔ بعض قصبوں اور شہروں میں ان کے

www.taemeernews.com

احباب رہتے تھے۔ کچھ مدت ان کے ہاں بسر کی۔ لیکن یہ سیاحی کی زندگی پیسے کے بغیر بسر نہ ہو سکتی تھی۔ چنانچہ بمبئی پہنچے۔ اور بعض دوستوں کی تحریک پر "وی پی سپلائی بزنس" شروع کر دیا۔ اکیلا دم۔ جورو نہ جاتا۔ اللہ میاں سے ناتا۔ بڑے ٹھاٹھ سے رہنے لگے۔ ادبی آدمیوں سے میل جول تو مذاق طبیعت تھا۔ ایسے لوگ بمبئی جاتے۔ یا بیرون ہند جاتے ہوئے بمبئی ٹھہرتے۔ تو اکثر بیدل صاحب ہی کے ہاں قیام کرتے۔ چنانچہ شیخ سر عبدالقادر بھی دو دفعہ چند روز کے لئے بیدل ہی کے مہمان رہے۔ کبھی مولانا شبلی بمبئی تشریف لاتے تو بیدل صاحب ان کے لئے سیر و سیاحت کے گائیڈ کا کام دیتے۔ اور انہیں بمبئی اور مضافات کی دل فریبیوں سے بہرہ اندوز کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھتے۔ اس کے علاوہ بھی بمبئی باب الہند ہے۔ ملک کے اکثر مشاہیر سے وہاں بیدل صاحب کی ملاقات ہو جاتی — اور بیدل صاحب ان کی خاطر مدارات کر کے ان پر اپنے خلوص اور اپنی ادب نوازی کا سکہ بٹھا دیتے۔

خدا جانے کیا بجوگ پڑا۔ کہ تیرہ چودہ سال کی اس کامیاب زندگی کا ایک دم خاتمہ ہو گیا۔ کاروبار نفع بخش نہ رہا۔ اور مولانا بیدل نے گھبرا کر پنجاب کا رخ کر لیا۔ کہ ملک بھر میں یہی ایک صوبہ اس وقت تک ان کے قدوم میمنت لزوم سے محروم تھا۔ چونکہ ان کے دوست احباب ملک کے گوشے گوشے میں پھیلے ہوئے تھے۔ اور لاہور بھی ان سے خالی نہ تھا۔ اس لئے وہ بے تکلف یہاں آن پہنچے۔ حکیم فقیر محمد۔ حکیم احمد شجاع۔ سر عبدالقادر۔ خان بشیر علی خان۔ بشیر حسین خان اور متعدد دوسرے حضرات ان کو خوب جانتے تھے اور نئے دوست بنانا بھی بیدل کیلئے

www.taemeernews.com

کچھ دشوار نہ تھا۔ چنانچہ جب حکیم فقیر محمد کے ہاں میری ملاقات ہوئی تو بیدل نے دفتر بھول و تہذیب لکھنؤ میں آنا شروع کر دیا۔ اور اس طرح ان کا تعارف سید ممتاز علی ۔ سید حمید علی ۔ سید امتیاز علی تاج اور آخر الذکر کے احباب احمد شاہ بخاری، جگل کشور راب احمد سالان سے بھی ہو گیا۔ دن رات صحبتیں رہنے لگیں۔ امتیاز۔ بخاری۔ جگل اور میں نوجوان تھے۔ اور بیدل کی عمر ہم میں سے ہر ایک سے زیادہ تھی۔ لیکن اس کے باوجود وہ ایسے باغ و بہار قسم کے آدمی تھے کہ عالموں اور بزرگوں میں بیٹھتے — تو عالمانہ و بزرگانہ باتیں کرتے۔ اور ہماری محفل میں آتے تو لطیفہ بازیاں کرتے۔ معمے حل کرتے۔ شعر پڑھتے، ہزل و مخش نظم کرنے میں بھی بند نہ تھے۔ غرض چند ہی روز میں محسوس ہوا کہ ہماری محفل بیدل کے بغیر مکمل نہیں ہوتی۔ سالک۔ بخاری، امتیاز اور بیدل اس محفل کے چار مستقل عناصر تھے۔ اور گاہ بگاہ شامل ہونے والے احباب ان کے علاوہ تھے۔

بیدل صاحب اب تک تو اپنی جمع پونجی پر زندگی بسر کر رہے تھے۔ لیکن ایک دن ایسا آ گیا کہ انہیں مطبع مفید عام لاہور میں مصحح کی ملازمت کرنی پڑی اور اس ملازمت کے دوران میں دوسری کتابوں کے علاوہ دیوان غالب کا ایک ایڈیشن بھی خاص محنت سے صحیح و مرتب کر کے چھپوایا۔ کچھ مدت بعد مطبع کے کارفرماؤں سے تلخ ہو گئی۔ تو ملازمت ترک کر کے گھر بیٹھ گئے۔ دوستوں کو تشویش ہوئی۔ انہی دنوں مولانا تاجور نجیب آبادی نے اپنی دیال سنگھ سکول کی ملازمت کے باعث ادارہ "مخزن" سے استعفا دے دیا۔ اور ہم لوگوں نے کوشش کر کے مولانا بیدل کو مدیر "مخزن" مقرر کرا دیا۔ اب ہم سب کی شامت آئی۔ مولانا

www.taemeernews.com

نے سب دوستوں کے نام مضمون لکھنے کے احکام صادر کر دیئے۔ حکم حاکم مرگ مفاجات مرتا کیا نہ کرتا۔ سب لکھنے بیٹھ گئے اور مولانا بیدل "مخزن" کو بڑے سلیقے سے مرتب کرنے لگے۔ چند مہینے اس مشغلے میں بھی اچھے بسر ہو گئے لیکن آخر تابکے۔ مولانا کی سیماب وشی نے یہاں بھی چین نہ لینے دیا۔ اور ایک دن سب کچھ چھوڑ چھاڑ الگ ہو گئے

مولانا بیدل کی نظم ونثر کا معاملہ مرزا غالب سے متضاد تھا۔ مرزا کی نثر سادہ وسلیس اور شگفتہ ہوتی تھی۔ اور شعر میں ان کی مشکل پسندی ضرب المثل ہے لیکن بیدل صاحب غزل تو بالکل اپنے استاد مرزا داغ کی زبان میں کہتے تھے اور نثر میں ادق الفاظ اور پیچیدہ جملوں کے وہ پتھر لڑھکاتے تھے کہ بعض اوقات احباب رعایت وخاطرداری کے خیال کو بالائے طاق رکھ کر مولانا کی نثر کا مذاق اڑاتے تھے۔ لیکن چونکہ مولانا ہم سب کے مخدوم ومحترم تھے، اس لئے ہم سب ان کے حکم کی تعمیل میں "مخزن" کے لئے مضمون لکھ دیا کرتے تھے۔

مولانا بیدل دُبلے پتلے تھے۔ ٹھگنا سا قد پایا تھا۔ فرنچ کٹ داڑھی تھی۔ سر پر انگریزی تراش کے بال۔ قمیص۔ تنگ موہری کا پاجامہ اور شیروانی زیب تن کرتے تھے۔ سر پر یہی عام "مصنوعی کھال" کی ٹوپی۔ مگر نہایت باوضع، صاف ستھرے، نفیس ذوق کے آدمی تھے۔ کھانے۔ پہننے۔ اٹھنے بیٹھنے۔ چلنے پھرنے میں ان کی نفاستِ مذاق لوگوں کی توجہ کو بطورِ خاص جذب کرتی تھی۔

دوست احباب کو جمع کر کے دھماچوکڑی مچانے کے بہت شوقین تھے مثلاً دو تین دفعہ گرمی کے موسم میں تین بجے بعد دوپہر "تربوز پارٹی" دی۔ ہیں۔ امتیاز بخاری اور ایک اور دوست لاہور کی قیامت خیز دھوپ میں خنگر محلے (انارکلی) کے

www.taemeernews.com

سے اس بالاخانے میں پہنچے جو بیدل صاحب کا گھونسلا تھا۔ دیکھا، کہ کمرے میں پردے ڈال کر اندھیرا کر رکھا ہے۔ فرش پر چاندنی بچھی ہے۔ دسترخوان پر یہ بڑے بڑے تربوز سینیوں میں سجے ہیں۔ برف کی کوئی کمی نہیں اور ہر تربوز کے پاس دو دو چھریاں رکھی ہیں۔ ہم بیٹھتے ہی تربوزوں پر پل پڑے۔ لطیفوں اور چٹکلوں اور قہقہوں میں خدا جانے کتنے تربوز کاٹ کاٹ کر کھا گئے۔ اور اس کے بعد فرش پر لوٹ مارنے لگے جو پیٹ بھر کھانے کے بعد ہمارا بہترین قیلولہ تسلیم کیا گیا تھا۔ اب بھی جب امتیاز بخاری، میں اور احمد سمان جمع ہوجائیں تو ہم لوگ کھانا کھانے کے بعد چین سے صوفوں پر بیٹھنا بدذوقی سمجھتے ہیں بلکہ صوفوں کو ہٹا کر نکیے، گدے بچھے جاتے ہیں اور فرش پر دراز ہو کر "لوٹ مار قیلولہ" کیا جاتا ہے۔

اگر ہم کبھی فیصلہ کرتے کہ مولانا چلو۔ کالا شاہ کاکو جا کر ڈیک پر مچھلی پکڑیں تو مولانا جھٹ تیار ہو جاتے۔ بلکہ خود ہی منشی نعمت اللہ (مالک دہلی مسلم ہوٹل) کو چھڑیاں، ڈوریاں، کیچوؤں اور دوسری متعلقات کے سلسلے میں مشورے دینے لگتے۔ جب ہم دوسرے دن علی الصبح ٹیکسی میں سوار ہو کر کالا شاہ کاکو کی طرف روانہ ہوتے۔ تو سب سے زیادہ شور مولانا بیدل مچاتے۔ اور بذلہ گوئی اور ہرزہ سرائی میں بھی ہم سب پر بازی لے جاتے۔ مچھلی کم پکڑتے اور خرافات زیادہ بکتے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس مچھلی پکڑنے کے مشغلے سے مقصود کچھ اور تھا۔ ہم چاہتے تھے کہ ہفتے بھر کے متین و سنجیدہ مشاغل سے دماغوں میں جو پھپھوندی سی لگ جاتی تھی۔ وہ اتر جائے۔ اور آئندہ ہفتے کو زندگی کی نئی حرارت سے شروع کیا جائے۔ بہرحال بیدل صاحب ہمارے تمام مشاغل میں ہم سے بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے اور ایک لمحے کے لئے بھی

www.taemeernews.com

محسوس نہ ہونے دیتے کہ وہ عمر کے اعتبار سے ہمارے بزرگ ہیں۔ گو ہماری طرف سے ان کا احترام ہمیشہ ملحوظ رہتا۔

یہ فی الحقیقت نہایت دردناک امر ہے کہ ایسا ذی علم اور خوش ذوق آدمی اپنے کوئی علمی و ادبی آثار چھوڑے بغیر دنیا سے رخصت ہو گیا۔ بیدل کبھی کبھی مزے میں آکر اپنی پرانی غزلوں کے بعض اشعار سنایا کرتے جن میں سے چار پانچ مجھے یاد ہیں۔ ان سے ان کے ذوق کا اندازہ کیا جا سکتا ہے ؎

یوں دن مرے شباب کا چڑھتے ہی ڈھل گیا
جھونکا تھا اک ہوا کا کہ سن سے نکل گیا
یاد آگئی جو نشے میں ساقی کی چشم مست
میں گرتے گرتے ساغرِ مے پر سنبھل گیا

٭

دونوں جل بجھتے ہیں، یہ فیصلہ اب تک نہ ہوا
شمع میں سوز زیادہ ہے کہ پروانے میں
ٹپکی پڑتی ہے تری آنکھ سے مستی ساقی
اتنی مے ہے کہ سماتی نہیں پیمانے میں

٭

میرے ہو یا رقیب کے، دم بھر کے یار ہو
جس کی بھی زندگی ہو، غرض مستعار ہو
لپٹا رہا ہوں سینے سے دل کو شبِ فراق
مطلب یہ ہے بغل میں کوئی بے قرار ہو

www.taemeernews.com

کچھ مدت کے بعد مولانا بیدل لاہور سے چلے گئے اور پھر مدتوں ملک کے مختلف شہروں کے چکر کاٹتے رہے۔ ایک دفعہ لاہور میں خدام الحرمین کی ایک کانفرنس ہوئی جس میں بڑے بڑے علماء اور سجادہ نشین شامل ہوئے حضرت سجادہ نشین صاحب کچھوچھہ شریف سے چونکہ مولانا بیدل کے کچھ خاندانی اور کچھ ذاتی تعلقات تھے۔ اس لئے وہ بیدل صاحب کو بھی اپنے ساتھ لاہور لے آئے اور ہم نے مدت دراز کے بعد اپنے اس محبوب دوست کے دیدار سے آنکھیں روشن کیں امتیاز کے ہاں طعام شب کی دعوت ہوئی۔ تین چار گھنٹے بہت لطف سے کٹے۔ بیدل اس وقت بہت کمزور ہو رہے تھے۔ معلوم ہوا، دو مہینے طبیعت ناساز رہی ہے دوسرے دن وہ سجادہ نشین صاحب کے ساتھ ہی واپس چلے گئے اور وعدہ کر گئے کہ پھر لاہور آئیں گے۔ لیکن چند ماہ کے بعد یہ خبر آئی کہ بھوپال میں ایک دوست کے مکان پر سید عامد حسین بیدل شاہجہان پوری کا انتقال ہو گیا۔

مجھ کو دیار غیر میں مارا وطن سے دور
رکھ لی مرے خدا نے مری بیکسی کی شرم